سیر الصحابۃ والتابعین
اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ
(منکرینِ حق پر شدت اور باہمدگر رحمت و شفقت والے)
رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین
خلفائے راشدین رض
از
مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم
www.KitaboSunnat.com
ناشرانِ قرآن لمیٹڈ
اردو بازار لاہور

سیر الصحابۃ والتابعین

اشداء علی الکفار رحماء بینھم

(منکرین حق پر شدت اور باہمد گر رحمت اور شفقت والے)

رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین

خلفائے راشدینؓ

از

مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم

ناشران قرآن لمیٹڈ
اردو بازار لاہور

سلسلہ ــــــــــ سیر الصحابہؓ والتابعینؒ

کتاب ــــــــــ خلفائے راشدین رضؓ

مصنّف ــــــــــ مولانا حاجی معین الدین

اشاعت ــــــــــ اوّلیں بہ تقطیعِ نوی

مطبع ــــــــــ حفیظ پریس، ٹیمپل روڈ لاہور

ادارۂ اشاعت ــــــ ناشران قرآن لمیٹیڈ
۳۸ ۔ اردو بازار لاہور
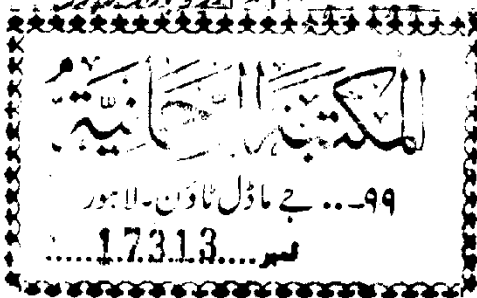
فہرست مضامین خلفائے راشدینؓ

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

جدید اردو نثر کے اساطین میں سے جن زعماء نے سیرت نگاری پر توجہ مرکوز کی اُن میں شبلی نعمانی رحمہ اللہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے نہ صرف انسانیت کے عظیم ترین پیکر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوانح حیات کی تدوین کا فنی اسلوب سے ڈول ڈالا، بلکہ اسلامی علوم کی تدریس کے لیے ندوۃ العلماء جیسا ادارہ قائم کرنے کے بعد یہاں کے فیض یافتہ فضلاء پر مشتمل دارالمصنّفین جیسا مرکز قائم کیا جس نے بعد میں شبلی اکیڈیمی کا نام پایا۔ شبلی کے ان تلامذہ نے اسلامی تاریخ کے متعدد از یاد رفتہ گوشے اجاگر کیے اور سیرت نگاری کو سوانحی تقاضوں کے رُخ پر بڑھانے کی مساعی کیں ہر چند یہ کام تذکرہ نویسی کے نہج پر ہوتا رہا، مگر بعض تالیفات میں اعلام کی ابجدی فہرستیں دے کر حوالجاتی سہولت ایک حد تک بہم پہنچائی گئی۔ یوں بھی اردو کی بیشتر علمی تالیفات اشاریوں سے محروم رہتی ہیں مگر اس چیز کی طرح اندازی ان تالیفات میں ضرور ہو گئی۔

دبستانِ شبلی کے تربیت یافتگان میں سید سلیمان ندوی گلِ سر سبد تھے۔ وہی اس تصنیفی مرکز کے سربراہ بنے اور انہی کی رہنمائی میں یہاں کام ہوتا رہا۔ سیرۃ النبی ﷺ کی تکمیل اور سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تسوید خود ان کے قلم سے ہوئی۔ سپہر فلک الافلاک رسالت کے نجوم رخشندہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ قلمبند کرانے کے لیے مولانا عبدالسلام کی نگرانی میں کام کا آغاز ہوا جو اکابر تابعین رحمہم اللہ و تبع تابعین رحمہم اللہ تک پہنچا اور سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کے عنوان سے یہ جلدیں مختلف اوقات میں بلا ترتیب اشاعت پذیر ہوتی رہیں جنہیں اب سِیَرُ الصَّحَابَۃِ رضی اللہ عنہم وَالتَّابِعِیْنَ رحمہم اللہ کے عنوان سے نو جلدوں میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

آخر میں ایک جلد مفصل اشاریہ کے طور پر بڑھانے کی تجویز ہے تاکہ یہ تذکرہ ایک طرح سے سوانحی قاموس بھی بن جائے۔ وَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ!

سوانحی مواد طبقات ابن سعد اور دوسرے مستند منابع سے لیا گیا ہے اور سب سے زیادہ صفحات شاہ معین الدین احمد کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ سیر المہاجرین کی شروعات انہی کے ہمنام حاجی معین الدین کے قلم سے ہوئی۔ مگر بوجوہ اس مرکز سے ان کا تعلق ٹوٹا۔ یہی حادثہ سیر الانصار کے مؤلف سعید انصاری پر گزرا جس کی تفصیلات قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں تشریف آوری پر ان کی زبانی معلوم ہوئیں۔ باقی ماندہ اصحاب مجیب اللہ اور حافظ محمد نعیم تھے جنہوں نے اپنا اپنا کام مکمل کیا۔ لیکن عرق ریزی کی یہ تمام کاوشیں مل کر بھی باذوق قاری کو تشنگی کا احساس دلاتی رہتیں اگر نگران سلسلہ مولانا عبدالسلام اسوۂ صحابہؓ و صحابیاتؓ پر اپنی ژرف بینی سے حاصل ہونے والے لائق گرانبہا اس میں شامل نہ کرتے۔

نئی کتابت میں نئی تقطیع پر اس پیشکش کے عناوین اور مؤلفین و مصنفین کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱۔ خلفائے راشدین رض از مولانا حاجی معین الدین

۲۔ مہاجرین رض از مولانا حاجی معین الدین و مولانا شاہ معین الدین احمد

۳۔ انصار رض از مولانا سعید انصاری

۴۔ سیر الصحابہؓ (اکابر و اصاغر) از مولانا شاہ معین الدین احمد

۵۔ صحابیات رض از مولانا سعید انصاری و مولانا عبدالسلام

۶۔ اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ از مولانا مجیب اللہ

۷۔ اسوۂ صحابہؓ از مولانا شاہ معین الدین احمد

۸۔ تابعین رح از مولانا شاہ معین الدین احمد

۹۔ تبع تابعینؒ از مولانا شاہ معین الدین احمد

۱۰۔ مفصل اشاریہ از ناشران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ الہ الطاہرین خلفائہ الراشدین

اس سے پہلے کہ خلفائے راشدین کے حالات پڑھے جائیں، ضرورت ہے کہ خلافت راشدہ کا مفہوم ومنشا سمجھ لیا جائے۔ خلافت کے لغوی معنی "جانشینی" اور کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے" کے ہیں۔ یہ لفظ خود اپنے مفہوم ومنشا کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے، اسی کو امام کے لفظ سے بھی کبھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں اپنے پیشرو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیروں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے، اس بنا پر در حقیقت خلافت وامامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی اُمت کی پیشوائی ہے، صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء اور پیغمبر سیاست کرتے تھے، جب ایک پیغمبر مرتا تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا، لیکن پیغمبری اب ختم ہوگئی، تم میں خلفا ہوں گے"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت، پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے، اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور رتبہ ہے، اسی لیے ان امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو، اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الاطاعت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو" اسی لیے اگر ایک خلیفہ کے انتخاب کے لیے ظاہری حیثیت سے اس کی سیاسی وانتظامی استعداد وصلاحیت کو دیکھا جائے تو اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی اثر پذیرائی اور اس کے روحانی وعلمی واخلاقی فضائل ومناقب کی تلاش کرنی چاہیئے۔ ان چار بزرگوں کا درجہ بدرجہ اس منصب عظمیٰ کے لیے انتخاب اس نقطہ نظر کی تشریح وتوضیح ہے

اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام دینی ودنیوی مقاصد کی تکمیل اس کے تحت میں آجاتی ہے، لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ میں کی جاسکتی ہے یعنی پیغمبر کے کاموں کو قائم اور باقی اور ہر خارجی آمیزش سے پاک وصاف رکھنا۔ اور ان کو

ترقی دینا۔ یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے یعنی "اقامت دین"، لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل کر لیتا ہے۔ اور اقامت ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاۃ، اقامت حدود اور وعظ و پند و تعلیم وغیرہ سب اس کے جزئیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی ان ہی مقاصد کی تکمیل میں صرف ہوئی اور آپؐ کے بعد جو لوگ آپؐ کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی کو ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لیے وقف کیا۔ خلفاء کے دور بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اگرچہ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے الگ الگ اشخاص مقرر تھے۔ مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام مخصوص اشخاص سے متعلق تھا۔ برائیوں پہ روک ٹوک کرنے کے لیے اور اشخاص معین تھے۔ مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا۔ قرآن و سنّت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے، لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے۔ اس لیے ان اشخاص کے لیے متفرق طور پر جن اوصاف کی ضرورت ہے۔ خلیفہ کو ان سب کا جامع ہونا چاہیئے، لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ میں پیغمبرانہ تعلیم و تاثیر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے، پیغمبر جن لوگوں میں اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے، اشارات و تلویحات کے ذریعہ ان ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے۔ زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا، اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں یہ منصب چلا گیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس کے لائق نہ تھے، بلکہ ان کو صرف ظاہری طور پر ثقہ، متدین، پاکباز، پابند ارکان اسلام اور عالم بالکتاب و السنّۃ دیکھ کر امام و خلیفہ تسلیم کر لیا گیا، لیکن ایک پیغمبر کی نگاہ ان ظاہری صفات کیساتھ مخصوص روحانی فضائل و کمالات پر بھی پڑتی ہے، اور ان ہی فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن و حدیث میں ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کاملہ کا حقیقی مستحق صرف صحابہؓ کا گروہ تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو ان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا۔ اس لیے اس کو چن لیا اور آپؐ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آپؐ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپؐ کے اصحابؓ کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لیے انکو آپ کا وزیر بنایا، جو آپ کے دین کی حفاظت کے لیے جنگ کرتے ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہؓ کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے خود اس گروہ میں ایسے مخصوص قیود و اوصاف کا اضافہ کیا گیا، جس سے خلافت کا مفہوم خدا اور رسول کے منشاء کے مطابق محدود ہو کر بالکل مکمل ہو جائے، اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں، ان کی نسبت یہ اطمینان حاصل ہو سکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائیں گے، چنانچہ قرآن و حدیث کے اشارات و تلویحات سے خلافت کے مفہوم کی تکمیل کے لیے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں :۔

(۱) خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو، صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر و تبوک میں شامل اور سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود رہا ہو، چنانچہ خداوند تعالیٰ مہاجرین اولین کے متعلق فرماتا ہے :۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ	وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین میں جگہ دے دینگے
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا	تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی
بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

اور یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں۔ شرکائے صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے :۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ	محمد رسول اللہ اور جو لوگ آپ کے ساتھ
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ	ہیں کفار پر سخت ہیں۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے جو لوگ سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے، ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے :۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے
الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ	ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ	خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے جو
لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی	ان سے پہلے تھے اور ان کے اس دین کو جو ان
ارْتَضٰى لَهُمْ (نور - ۷)	کے لیے پسند کیا ہے مضبوط کر دے گا۔

اب اس آیت میں "مِنْكُمْ" کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی، ورنہ اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان و عمل صالح کے لحاظ کے ساتھ یہ لفظ بیکار ہو جاتا، بہر حال اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے دین کو استحکام حاصل ہوگا۔

شرکائے بدر و تبوک کے فضائل میں اس قسم کی آیات و احادیث وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے، وہ ان میں موجود تھے۔

(۲) وہ مبشر بالجنۃ ہو۔

(۳) وہ امت کے طبقہ علیا یعنی صدیقین، شہداء، صالحین اور محدثین میں ہو اور جنت میں اسکا درجہ بلند ہو۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اس کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ مستحق خلافت کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ نے اس کے استحقاق خلافت کا ذکر کیا ہو، ایسے قرائن بیان فرمائے ہوں جن سے فقہائے صحابہؓ نے یہ سمجھا ہو کہ اگر آپ خلیفہ بناتے تو اسی شخص کو بناتے، جو کام نبوت سے تعلق رکھتے ہوں آپؐ نے اپنی زندگی میں اس سے لیے ہوں۔

(۵) خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدے کیے ہوں وہ اس کی ذات سے پورے ہوں

(۶) اس کا قول حجت ہو۔

یہ اوصاف اگرچہ متفرق طور پر بہت سے صحابہؓ میں پائے جاتے تھے لیکن ان کا مجموعہ صرف خلفائے اربعہؓ کی ذات تھی، چنانچہ ان اوصاف کو اگر بہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی وصف ایسا نہیں ہے جو ان کی ذات میں موجود نہ تھا۔ یہ لوگ مہاجرین اولین میں سے تھے صلح حدیبیہ میں شریک تھے، بدر، احد اور تبوک اور دوسرے اہم غزوات میں شریک تھے، اور سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے، مبشر بالجنۃ تھے، امت کے طبقہ علیا سے تھے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک چٹان ہلنے لگی۔ آپ نے اس وقت فرمایا کہ "ٹھہر تجھ پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہیں،" ہر ایک خلیفہ کے متعلق الگ الگ بھی اس قسم کی حدیثیں وارد ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امت میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے، آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت فرمایا کیا تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہو گے، تم حوض کوثر پر میرے رفیق ہو۔ اور غار میں میرے رفیق تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت ارشاد ہوا کہ گزشتہ امتوں میں محدثین تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہوں گے؛ بہت سی آیتیں حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔ حضرت عثمانؓ کی نسبت فرمایا کہ جس سے

فرشتے شرماتے ہیں، کیا میں اس سے نہ شرماؤں، ہر پیغمبر کے رفیق ہوتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمانؓ ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی نسبت ارشاد ہوا کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی، کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے، اور اس کو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بزرگوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے حقیقی مستحق تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ رحمدل ابوبکرؓ خدا کے بارے میں سب سے بولنے والے عمرؓ سب سے زیادہ حیا دار عثمانؓ اور سب سے بڑے قاضی علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے۔ اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو ان کو قوی، امین پاؤ گے، جو خدا کے بارے میں ملامت کا خوف نہ کریں گے، اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے۔ ان اوصاف کے ساتھ جو کام منصبِ نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپ نے اپنی زندگی میں ان سے وہ کام لیے ہیں مثلاً ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ امام بنایا ہے اور امیر الحج مقرر فرمایا ہے، مسلمانوں کے معاملہ میں ہمیشہ شیخین سے مشورے کیے ہیں حضرت عمرؓ کو بعض غزوات کا امیر بنایا ہے، اور صدقاتِ مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے، حضرت عثمانؓ سے صلح حدیبیہ کے زمانے میں سفیر کا کام لیا ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے بھیجا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدے کیے تھے، وہ ان کے زمانے میں پورے ہوئے۔ مثلاً اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور تمکین و تقویت دین سے وہ وعدے پورے ہوئے جو آیت اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ الخ اور وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ میں کیے گئے تھے، اسلام کے مقابل میں، یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ، کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیۃ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ الخ کی موعودہ خیر و برکت کو پورا کیا آیۃ مَنْ آیۃ مِنْكُمْ میں مرتدین کی جنگ کی طرف جو اشارہ ہے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہوئی اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ میں کتابی شکل میں قرآنِ مجید کی تدوین کی طرف

جو اشارہ ہے، اس کی تکمیل حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے ہوئی، قتالِ خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عاد کی طرح قتل کر ڈالتا، اور ان کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے زمانے میں ہوئی۔

امورِ دین میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مطابق ان کا قول و فعل حجت تھا چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدینؓ کی سنت کا اتباع فرض ہے، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد کے لوگوں میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی تقلید کرو۔ غرض اس قسم کے بیشمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے اربعہؓ تھے۔ اور ان کے کارنامہائے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکورہ ہیں اس کی تصدیق کریں گے۔

معین الدین ندوی
رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

خلیفۂ اوّل - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نام و نسب، خاندان عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ والدہ کا نام سلمٰی اور ام الخیر کنیت، والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی، اور والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن تیم بن مرہ[1]، اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ عثمان بن عامر شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے۔ ابتداً جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے، وہ اسلام کی تحریک کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے، تو میں آپ کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا، وہاں ابوقحافہ موجود تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا[2]۔

ابوقحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، وہ اپنے فرزند سعید حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضعفِ پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، اس کے بعد آپؐ نے نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔

حضرت ابوقحافہؓ نے بڑی عمر پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکرؓ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے، آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے، آنکھوں کی بصارت جاتی

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۱۹ - [2] الاصابہ جلد ۴ ص ۲۲۱

رہی تھی بسنہ ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ؎۱

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ حضرت ام الخیر سلمیٰ بنت صخر کو ابتدا ہی میں حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان سے پہلے صرف انتالیس اصحاب مسلمان ہوئے تھے، یہ قلیل جماعت بالاعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اور نہ مشرکین و کفار کو بہانگ دہل دین مبین کی دعوت دے سکتی تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا۔ آپ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل و محامد پر تقریر کی، اور کفار و مشرکین کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی، کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے، نہایت برہم ہوئے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہایت بے رحمی اور خدا ناترسی کے اس قدر مارا کہ بالآخر بنو تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس آ گیا اور انہوں نے ظالم مشرکین کے پنجۂ ظلم سے چھڑا کر ان کو مکان تک پہنچا دیا، شب کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ باوجود درد اور تکلیف کے اپنے والد اور خاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دریافت کر کے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن رقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں، ان کو راہ حق کی ہدایت کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی، اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں ؎۲

حضرت ام الخیر نے بھی طویل عمر پائی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔ ؎۳

قبل اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے، اور ان کی دیانت، راست بازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا، اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے، ایام جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ کے ہاں ہی جمع ہوتا تھا، اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اسکو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ؎۴

حضرت ابوبکرؓ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی، جیسی زمانہ اسلام میں اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ شراب نوشی میں نقصان آبرو ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص انس اور خلوص تھا، اور آپ کے

؎۱ اصابہ جلد ۴ ص ۲۲۲ ؎۲ الاصابہ جلد ۸ ص ۲۲۵ ؎۳ ایضاً بحوالہ طبرانی ؎۴ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۲

مخصوص حلقۂ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ [1]

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خلعتِ نبوت عطا ہوا اور آپ نے مخفی طور پر احباب مخلصین اور محرمانِ راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا، تو مردوں میں سے حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ بعض ارباب سیر نے ان کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طول طویل قصے نقل کیے ہیں، لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا۔ فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی۔ گزشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خط و خال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرفتِ حق کے لیے کوئی استفسار باقی نہ رہا، البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مورخین اور اہلِ آثار نے کلام کیا ہے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب سے مقدم ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اولیت کا فخر حاصل ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت بھی حضرت ابوبکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذاتِ گرامی کیلئے مخصوص ہے حضرت حسانؓ بن ثابت کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة — فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا

جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم یاد آوے — تو اپنے بھائی ابوبکر کو یاد کرو ان کے کارناموں کی بنا پر

خیر البریة اتقاها واعدلها — بعد النبی واوفاها بما حملا

وہ تمام مخلوق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے بہتر تھے اور انہوں نے جو کچھ اٹھایا اس کو پورا کر کے چھوڑا۔

والثانی التالی المحمود مشهده — واول الناس منهم صدق الرسلا

وہی ثانی اور آپ کے بعد متصل ہیں جن کی مشکلات میں موجودگی کی تعریف کی گئی ہے اور وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بچوں میں، حضرت زیدؓ بن حارثہ غلاموں میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔ [2]

اشاعتِ اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمان ہوتے کے ساتھ ہی دینِ حنیف کی نشر و اشاعت کیلئے

[1] ایضاً [2] فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۰،

جدوجہد شروع کردی۔ اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ جو معدنِ اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں مشرف باسلام ہوئے حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت خالدؓ بن سعیدؓ بن العاص بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، یہ وہ اکابر صحابہ میں جو آسمانِ اسلام کے اختر ہائے تاباں ہیں، لیکن ان ستاروں کا مرکزِ شمسی حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی کی ذات تھی، علانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی، اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، لوگ آپ کے گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پُراثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ [۱]

مکہ کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ غرض ہر حیثیت سے آپؐ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلسِ راز قائم رہتی [۲] قبائلِ عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ و ہدایت کیلئے جاتے تو یہ بھی ہمراہ ہوتے اور نسب دانی اور کثرتِ ملاقات کے باعث لوگوں سے آپؐ کا تعارف کراتے۔ [۳]

مکہ میں ابتداً جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا، ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگانِ توحید کو ان جفاکار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ، بنی مومل ؓ اور بنت نہدیہ وغیرہ نے اسی صدیقی جود و کرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جاں نثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپؐ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے۔ مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپؐ بیہوش ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا "خدا تم سے سمجھے، کیا تم صرف

[۱] بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ [۲] ایضاً [۳] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۹ فضائل ابی بکرؓ صدیق۔

ان کو اس لیے قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں؟ اسی طرح ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا، اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ پہنچ گئے، اور اس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا "کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا، اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے" ؟[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ میں رشتۂ مصاہرت مکہ ہی میں قائم ہوا یعنی حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی[2]

ہجرت حبشہ کا قصد اور واپسی ابتداءً مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قلیل جماعت کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقۂ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انھوں نے اس تحریک کا سدِ باب کرنا چاہا، ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے جاں نثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو ستم زدوں کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی، اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس دار و گیر سے محفوظ نہ تھے، چنانچہ جب حضرت طلحہؓ بن عبداللہ ان کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی[3] ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی اور رختِ سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے۔ جب آپ مقام برک الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا ابوبکرؓ کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلا وطن کر دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں، ابن الدغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلا وطن نہیں کیا جا سکتا تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو۔ مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے، ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے ابوبکرؓ میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلا وطن نہ کرنا چاہیے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے قرابت داروں کا خیال

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹ ، بخاری باب مالقی النبی صلعم واصحابہ من المشرکین بمکہ [2] باب تزویج النبی صلعم عائشہ رضہ
[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۹۳ ، یہ واقدی کی روایت ہے۔

رکھتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے، اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا، لیکن فرمائش کی کہ ابوبکر کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں، لیکن گھر سے باہر نماز پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں، مگر جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عبادتِ الٰہی کیلئے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی، کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا، انھوں نے ابن الدغنہ کو خبر کردی کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر ابوبکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں، لیکن اب وہ صحن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہوکر اپنے آبائی مذہب سے بدعقیدہ نہ ہوجائیں۔ اس لیے تم انھیں مطلع کردو کہ اس سے باز آجائیں، ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر صدیقؓ سے جاکر کہا، تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پہ تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اس لیے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بدعہدی کی، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ "مجھے تمہاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لیے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔" [1]

ہجرت مدینہ اور خدمتِ رسول صلعم کفار و مشرکین کا دستِ ستم روز بروز زیادہ دراز ہوتا گیا، تو آپ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نورِ اسلام سے منور ہوچکی تھی۔ اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی۔ اس لیے اس دفعہ آپ نے مدینہ کو اپنی منزل قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کردی، لیکن بارگاہِ نبوت سے یہ حکم ہوا کہ ابھی عجلت سے کام نہ لو، اُمید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت تعجب سے پوچھا "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔" ارشاد ہوا "ہاں" عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو" فرمایا "ہاں تم ساتھ چلوگے" اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی کردیا، اور چار ماہ تک منتظر رہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً صبح و شام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے، ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلافِ معمول ناوقت تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹادو میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں

---

[1] بخاری جلد اول باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ

ہے۔ یہ سن کر آپ اندر تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے پھر ہمراہی کی تمنا ظاہر کی، ارشاد ہوا، ہاں تیار ہو جاؤ، وہ تو چار مہینے سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً تیار ہو گئے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رخت سفر درست کیا، حضرت اسماءؓ کو جلدی میں توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی، تو انھوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا، اور سدیار نبوت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر لیے تھے، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے، اس طرح نبیؐ و صدیقؓ کا مختصر قافلہ راہیٔ مدینہ ہوا۔ [1]

اس قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی، حضرت ابوبکؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو درست کیا جو سوراخ اور بھٹ نظر آئے ان کو بند کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کے لیے عرض کی، آپ اس غار میں داخل ہوئے، اور اپنے رفیق مونس کے زانو پر سر مبارک رکھ کر مشغولِ استراحت ہو گئے۔ اتفاقاً اسی حالت میں ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا، ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا، لیکن اس خادم جاں نثار نے اپنے آقا کی راحت میں خلل انداز ہوتا گوارا نہ کیا، اور خود اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس پر پاؤں رکھ دیا، سانپ نے کاٹ لیا۔ زہر اثر کرنے لگا، درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت تک نہ دی کہ اس سے خواب راحت میں خلل اندازی ہوگی، اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر ٹپکا، جس سے حضور بیدار ہو گئے، اور اپنے مخلص غمگسار کو بے چین دیکھ کر فرمایا، ابوبکرؓ کیا ہے؟ عرض کی: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں! سانپ نے کاٹ لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعاب دہن لگا دیا، اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آ کر ان کی اطلاع کرتے رہنا، اسی طرح اپنے غلام عامر بن فہیرہؓ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چرائیں اور رات کے وقت غار کے پاس لے آئیں، چنانچہ صبح کے وقت جب حضرت عبداللہؓ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ ان کے نشانِ قدم پہ بکریاں لاتے تاکہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو، رات کے وقت ان ہی بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام آتا، غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں، اور یہ تمام کارروائی اس احتیاط سے عمل میں آئی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ [2]

---

[1] بخاری ج ۲ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ۔ [1] زرقانی ج ۱ ص ۳۸۹،

[2] بخاری ج ۲ باب بنیان الکعبہ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے اسی روز قریش کی مجلس ملی سے آپ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آچکی تھیں چنانچہ ابوجہل وغیرہ نے اس روز رات بھر کاشانۂ اقدس کا محاصرہ رکھا، لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا، وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق کے دولت کدہ پر گئے اور حضرت اسماءؓ سے ان کے والد کو دریافت کیا انھوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابوجہل نے غضب ناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا، اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ [۱]

قریش اپنی ناکامی پر سخت برہم ہوئے، اسی وقت اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کرکے لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، چنانچہ متعدد بہادروں نے مذہبی جوش اور انعام کی طمع میں آپ کی تلاش شروع کی، مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل پہاڑ اور سنسان میدان ایسا نہ ہو گا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس بھی پہنچی، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق کو نہایت اضطراب ہوا، اور حزن و یاس کے عالم میں بولے "اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لیے جائیں گے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تشفی دی اور فرمایا، مایوس و غمزدہ نہ ہوں، ہم صرف دو نہیں ہیں ایک تیسرا (یعنی خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے [۲] اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا، اور ان کا مضطرب دل امدادِ غیبی کے تیقن پر لازوال جرأت و استقلال سے مملو ہو گیا، خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچے تھے، ان کو مطلق محسوس نہ ہوا کہ ان کا گوہر مقصود اسی کان میں پنہاں ہے اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

چوتھے روز یہ کارواں آگے روانہ ہوا، اب اس میں بجائے دو کے چار آدمی تھے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو راستہ کی خدمات کے لیے اپنے پیچھے بٹھا لیا ہے، عبداللہ بن اریقط آگے آگے راستہ بتاتا جاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ مہبط وحی و الہام کی حفاظت کے لیے کبھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں اسی اثناء میں سراقہ بن جعشم قریش کا ہرکارہ گھوڑا اڑاتا ہوا قریب پہنچ گیا، حضرت ابوبکرؓ نے خوفزدہ ہو کر کہا: یارسول اللہ! یہ تو سوار قریب پہنچ گیا، ارشاد ہوا غمگین نہ ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے" بارگاہ رب العالمین میں دعا کی اس کا اثر یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اتر کر پانسہ پھینک کر فال نکالی جواب آیا کہ اس تعاقب سے دستبردار ہو جاؤ، نہ مانا، پھر آگے بڑھا پھر وہی واقعہ پیش آیا، مجبور ہو کر امان طلب کی اور واپس آگیا۔ [۳]

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹، [۲] مسلم باب فضائل ابی بکر الصدیق، [۳] بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینۃ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت کثیر الاحباب تھے راہ میں بہت سے ایسے شناسا ملے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کو پہچانتے نہ تھے، وہ پوچھتے تھے کہ ابوبکرؓ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ گول مول جواب دیتے کہ یہ ہمارے رہنما ہیں، غرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے فرش درست کر کے اپنے محبوب آقا کیلئے استراحت کا سامان بہم پہنچایا، اور خود کھانے کی تلاش میں نکلے، اتفاق سے ایک گڈریا اسی چٹان کی طرف آرہا تھا، اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے ایک شخص کا نام لیا، پھر دریافت فرمایا کہ اس میں کوئی دودھاری بکری بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ہمیں دودھ دو گے؟ اس نے رضامندی ظاہر کی، تو آپ نے ہدایت کی کہ پہلے تھن کو اور ہاتھ کو گرد وغبار سے اچھی طرح صاف کرلو۔ اس نے حسب ہدایت وہ دودھ دوہ کر پیش کیا آپؓ نے ٹھنڈا کرنے کیلئے اس میں تھوڑا سا پانی ملایا، اور کپڑے سے چھان کر خدمت بابرکت میں لائے آپ نے نوش فرمایا، اور دوسری منزل کیلئے چل کھڑے ہوئے۔ [1]

اسی طرح یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا بارہویں ربیع الاول سنہ نبوت کے چودھویں سال مدینہ کے قریب پہنچا، انصارؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا، وہ نہایت بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، آپ شہر کے قریب پہنچے تو انصارؓ استقبال کیلئے ہادی برحق کو حلقہ میں لے کر شہر قبا کی طرف بڑھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جلوس کو دہنی طرف مڑنے کا حکم دیا اور بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں انصار جوق در جوق زیارت کیلئے آنے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے، بہت سے انصارؓ جو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تھے وہ غلطی سے حضرت ابوبکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے، یہاں تک کہ جب آفتاب سامنے آگیا اور جاں نثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آقائے نامدار پر سایہ کیا تو اس وقت خادم و مخدوم میں امتیاز ہوگیا اور لوگوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ [2]

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ قبا میں چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں مہمان ہوئے، حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ آئے، اور حضرت خارجہ بن زید ابن ابی زہیر کے مکان میں فروکش ہوئے۔ [3] کچھ عرصہ کے بعد آپ کے اہل وعیال بھی حضرت طلحہؓ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے [4] لیکن مدینہ کی آب وہوا مہاجرین کیلئے عموماً نہایت ناموافق ثابت ہوئی خصوصاً حضرت ابوبکرؓ ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حال پوچھا تو اس وقت یہ شعر وردِ زبان تھا۔

---

[1] بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینۃ۔ [2] بخاری باب سیرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینۃ

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۲۳ [4] ایضاً ص ۳ ۱۵

کل امرء مصبح فی اھلہ   والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

ہر آدمی اس حالت میں ساتھ اپنے اہل وعیال میں صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے

حضرت عائشہؓ یہ حال دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور کیفیت عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:۔

اللھم حبب الینا المدینۃ	اے خدا تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ
کحبنا مکۃ او اشد وصححھا	مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر اس
وبارک لنا فی صاعھا و	کو بیماریوں سے پاک فرما، اس کے صاع اور
مدھا وانقل حماھا	مد میں برکت دے اور اس کے (وبائی) بخار
فاجعلھا بالجحفۃ۔[1]	کو جحفہ میں منتقل کر دے۔

دعا مقبول ہوئی، حضرت ابوبکرؓ بستر مرض سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لیے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئند ہو گئی۔

مواخات مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کی باہمی اجنبیت وبیگانگی دور کرنے کیلئے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا، اس مواخات میں طرفین کے اعزاز ومرتبہ کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی برادری حضرت خارجہ بن زید بن زہیر سے قائم کی گئی، جو مدینہ میں ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے۔[2]

تعمیر مسجد مدینہ اسلام کے لیے آزادی کی سرزمین تھی، فرزندان توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے، آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے اور اب آزادی واجتماع کے ساتھ معبود حقیقی کی پرستش کا موقع حاصل ہوا، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا۔ اس کیلئے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، گو ان کے اولیاء واقرباء بلاقیمت پیش کرنے پر مصر تھے، تاہم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا، اور حضرت ابوبکرؓ سے اس کی قیمت دلوادی[3] اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے ابر کرم نے اسلام کے لیے جود وسخا کی بارش کی قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ پیر سرد اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم کار رہا۔

---

[1] بخاری باب مقدم النبیؐ واصحابہ الی المدینہ [2] اسد الغابہ تذکرہ خارجہ بن زہیر۔ [3] فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۳۔

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا، اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشرو اشاعت کا وقت آگیا تھا، لیکن عرب کی جنگجو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر و تفنگ اور نوکِ سناں سے وابستہ سمجھتی تھی، اس لیے اس نے ہمیشہ علمبر دارِ اسلام کو اپنی جنگجوئی سے منبر وعظ وہدایت کو چھوڑ کر میدان رزم میں آنے کیلئے مجبور کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبرؓ ایک مشیر و وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہمرکابی سے مشرف رہے

غزوۂ بدر غزوۂ بدر حق و باطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا، خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھا، اور وہی پیر سرد جس نے اپنے وعظ و پند سے عثمان بن عفان، ابو عبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمن بن عوف جیسے اولوالعزم اکابر صحابہ کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا تھا نہایت جانبازی کے ساتھ تیغ بکف اپنے ہادی کی حفاظت میں مصروف تھا، کفار و مشرکین ہر طرف سے نرغہ کر کے آتے اور یہ ہر ایک کو اپنی شجاعت خداداد سے بھگا دیتا تھا [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی کثرت دیکھ کر محزون ہوتے اور سربسجود ہو کر خدا سے دعا فرماتے۔

"اے خدا مجھ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ، اور اپنا عہد پورا کر اے خدا! کیا تو چاہتا ہے کہ آج سے تیری پرستش نہ ہو؟" اس عالم حزن دیاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیم مونسِ باوفا اور ہمدم غمگسار شمشیر برہنہ آپ کی حفاظت میں مصروف ہوتا، اور تسلی اور دلدہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے۔ [2]

اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابو بکرؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری سے غافل نہیں ہوئے ایک دفعہ ردائے مبارک شانۂ اقدس سے گر پڑی، فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ دی، پھر رجز پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے۔ درحقیقت یہی وہ وارفتگی، جوش اور حب رسول کا جذبہ تھا جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ میں سربلند کیا۔ [3]

اس جنگ میں مالِ غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق کبار صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے جائیں، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض

---

[1] زرقانی ج ۱ غزوۂ بدر۔ [2] زرقانی ج ۲ ص ۴۸۴ [3] فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵۔

کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ رحم و تلطف کا برتاؤ کرنا چاہیے، اور فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہیے۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پسند آئی [۱]

غزوۂ احد بدر کی شکست قریشِ مکہ کے دامنِ شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا۔ انھوں نے جوشِ انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں۔ چنانچہ معرکہ احد اسی جوش کا نتیجہ تھا۔ اس جنگ میں مجاہدینِ اسلام باوجود قلتِ تعداد پہلے غالب آئے، لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا۔ بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت مجروح ہوئے اور لوگ آپؐ کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آکر پکارا۔ کیا قوم میں محمد صلعم ہیں؟ کوئی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا۔ [۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کو رئیسِ امت سمجھتے تھے۔

اختتامِ جنگ کے بعد کفار مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت ان کے تعاقب میں روانہ کی گئی حضرت ابوبکرؓ بھی اس میں شامل تھے۔ [۳] غزوۂ احد کے بعد بنو نضیر کی جلاوطنی، غزوۂ خندق اور جو دوسرے غزوات پیش آئے۔ حضرت ابوبکرؓ ان سب میں برابر کے شریک تھے۔

غزوۂ بنی مصطلق اور واقعہ افک ۵ھ میں غزوہ بنی مصطلق پیش آیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس معرکہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس آئی۔ اور شب کے وقت مدینہ کے قریب تمام لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ صبح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، رفع حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئیں۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار کہیں گر گیا۔ تلاش کرتی ہوئی پھر اس طرف چلیں، لیکن جب ڈھونڈ کر پڑاؤ پر واپس پہنچیں تو لوگ روانہ ہو چکے تھے اسی جگہ غمگین وملول بیٹھ گئیں۔ اتفاقاً صفوان بن المعطلؓ نے نہایت ضعیف اور بوڑھے آدمی تھے اور عموماً کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لے کر سب سے پیچھے روانہ ہوتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو دیکھ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے منافقین کی جماعت نے جو عموماً اپنی مفسدہ پردازی و فتنہ انگیزی سے اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی، اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت میں مشہور کیا۔ دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خود حضرت عائشہؓ کو بارگاہِ نبوت میں جو غیر معمولی رسوخ، تقرب اور اعزاز حاصل تھا۔ اس نے بعض مسلمانوں کو بھی آمادہ رشک کر دیا

---

[۱] مسلم باب امداد الملائکہ غزوۂ بدر۔ [۲] بخاری باب غزوۂ احد۔ [۳] بخاری باب المغازی باب الذین استجابوا للہ والرسول

چنانچہ انھوں نے بھی اس افترا میں منافقین کی تائید کی۔ سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایک پروردہ نعمت اور عزیز مسطح بن اثاثہ جس کے وہ اب تک متکفل تھے اس سازش میں افتراء پردازوں کا ہم آہنگ تھا۔
عزت و آبرو انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ کیلئے نہایت صبر فرسا آزمائش تھی لیکن خدائے پاک نے بہت جلد اس سے نجات دے دی اور وحی الٰہی نے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھولی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ	جن لوگوں نے (حضرت عائشہؓ) پر تہمت لگائی ۔
عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ	وہ تمہاری ہی جماعت سے ہیں، اس کو تم
بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ	اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے خیر ہے
مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ	ان میں ہر شریک گناہ کو بقدر شرکت سزا ملے
وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ	گی اور ان میں سے جس نے بہت زیادتی کی ہے
عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورہ نور رکوع ۲)	اس پر سخت عذاب ہوگا ۔

حضرت ابوبکرؓ اس بات کے بعد مسطح بن اثاثہ کی کفالت سے دست بردار ہو گئے اور فرمایا۔
"خدا کی قسم اس فتنہ پردازی کے بعد اس کی کفالت نہیں کر سکتا، لیکن جب یہ آیتیں نازل ہوئیں،

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ	تم میں سے بڑے اور صاحب مقدرت لوگ رشتہ
وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰى	داروں مساکین اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو مدد نہ
وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِىْ	دینے کی قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ ان کے
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ	قصور معاف کریں اور ان سے درگزر
اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ	کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	بخش دے، اور اللہ بڑا بخشنے والا اور
(نور - رکوع ۳)	رحمت والا ہے ۔

تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا، خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے، اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا کفیل رہوں گا۔[ل]

واقعہ حدیبیہ اسی سال یعنی ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب

ل یہ تمام تفصیل بخاری باب حدیث الافک سے ماخوذ ہے ۔

کیا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ قتل و خونریزی نہیں بلکہ زیارتِ کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اس لیے تشریف لے چلئے، جو کوئی اس راہ میں سدراہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔ بسم اللہ چلو، غرض آگے بڑھ کر مقامِ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا گیا، اور طرفین سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اسی اثناء میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو سفیر ہو کر گئے تھے، شہید ہوگئے یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جاں نثاروں سے جہاد کی بیعت لی یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ [۱]

قریش مکہ ان تیاریوں سے خوفزدہ ہو کر کچھ نرم پڑ گئے، اور مصالحت کے خیال سے عروہ بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "محمد صلعم! خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ تم سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے" اس جملہ نے جاں نثارانِ رسول صلعم کے دلوں پر نشتر کا کام کیا، حضرت ابوبکرؓ جیسے حلیم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا "کیا ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟" عروہ نے انجان بن کر پوچھا، یہ کون ہیں لوگوں نے کہا ابوبکرؓ اس نے مخاطب ہو کر کہا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں تمہارا زیر بار احسان نہ ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا [۲]

حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ کفار سے اس قدر دب کر کیوں صلح کی جاتی ہے، حضرت ابوبکرؓ محرم اسرار نبوت تھے فرمایا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اسلئے آپ اسکی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہ ہر وقت آپکا معین و ناصر ہے" [۳]

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گونہ اطمینان ہوا تو ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ سپہ سالار تھے، لیکن درحقیقت یہ کارنامہ حضرت علیؓ کیلئے مقدر ہو چکا تھا، چنانچہ خیبر ان ہی کے ہاتھ مفتوح ہوا [۴]۔ اور حضرت ابوبکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئے [۵]۔ وہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو بنو فزارہ کی تنبیہ کیلئے ایک جماعت کیساتھ روانہ کیے گئے اور بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت کیساتھ واپس آئے۔ [۶]

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار کی جماعت سے مکہ کا قصد کیا، اور فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے، حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے، مکہ پہنچ کر اپنے والد ابوقحافہ عثمان بن عامر کو دربار نبوت میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کیساتھ انکے سینہ پر ہاتھ پھیرا کر نور ایمان سے مشرف فرمایا۔ [۷]

---

[۱] بخاری باب غزوۂ حدیبیہ۔ [۲] بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب [۳] ایضاً۔
[۴] بخاری باب مناقب علی بن ابی طالبؓ [۵] زرقانی ج ۲ ص ۳۸۷ – [۶] مسلم باب التفضیل و فداء المسلمین بالاسارٰی – [۷] اصابہ تذکرہ ابوقحافہ عثمان بن عامر۔

مکہ سے واپسی کے وقت بنو ہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے، یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا حضرت ابوبکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے، اور آخر کار یہی زخم حضرت ابوبکرؓ کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔ [۱]

۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث یہ نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابہ کرامؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی، تمام صحابہؓ نے حسب حیثیت اس میں شرکت کی، حضرت عثمانؓ دولت مند تھے اس لیے بہت کچھ دیا، لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ کا امتیاز قائم رہا، گھر کا سارا اثاثہ لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم نے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول ہے۔ [۲] غرض اس سرمایہ سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی۔ اور حدود شام کی طرف بڑھی، لیکن تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لیے سب لوگ واپس آ گئے۔ [۳]

امارت حج اسی سال یعنی ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے [۴] چونکہ سورہ براءت اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی، اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سنانے کیلئے بھیجے گئے تھے، اس لیے بعضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارت حج کی خدمت بھی حضرت ابوبکرؓ سے لیکر حضرت علیؓ کو تفویض کی گئی تھی، لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں، چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے۔ [۵]

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر الصدیق [۲] ابو داؤد کتاب الزکوۃ ص ۱۲۹ مطبوعہ مصر [۳] طبقات ابن سعد معہ مغازی [۴] بخاری حج ابی بکر بالناس فی سنۃ تسع۔ [۵] فتح الباری جلد ۸ ص ۳۴۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اور

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت

سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ ہمرکاب تھے، اس اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپؐ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا۔

"خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی"

حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رونے لگے، لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ رونے کا یہ کون سا موقع تھا[1] لیکن درحقیقت ان کی فراستِ دینی اس کنایہ کی تہ تک پہنچ گئی تھی، اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے، چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مسجد نبوی میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے، اور حکم ہوا کہ ابوبکرؓ امامت کی خدمت انجام دیں، حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ اگر امامت کا شرف حضرت ابوبکرؓ کو عطا کیا جائے گا تو وہ محسود خلائق ہو جائیں گے اس لیے انھوں نے خود اور ان کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی کہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں اس لیے یہ منصب جلیل عمرؓ کو عطا کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی امامت کے لیے اصرار کے ساتھ حکم دیا اور برہم ہو کر فرمایا، تم وہی ہو جنھوں نے یوسف کو دھوکہ دینا چاہا تھا[2]

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ انھوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں[3] غرض اس روز سے حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے، ایک روز حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن آپ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود ان کے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔[4]

۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے روز جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا، اور خوش ہو کر مسکرائے، تو حضرت ابوبکرؓ نے

---

[1] بخاری باب فضائل الصدیق [2] بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ [3] ایضاً [4] بخاری باب من قام الی جنب الامام لعلۃ

نے اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لائیں گے پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو، اور پھر پردہ گرادیا ؎۱ چونکہ اس روز بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نماز کے بعد اجازت لیکر مقام سنح کو جہاں ان کی زوجہ محترمہ حضرت حبیبہؓ بنت خارجہ رہتی تھیں تشریف لے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سنح سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد کے دروازہ پر ایک ہنگامہ بپا تھا، لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ سے نقاب اٹھاکر پیشانی پہ بوسہ دیا اور کہا۔ ؎۳

بابی انت وامی واللہ لایجمع اللہ	میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم
علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت	آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی، وہ موت
علیک فقد ذقتہا ثم لن تصیبک	جو آپ کے لیے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے
بعدہ موتۃ ابدا۔	اب اس کے بعد پھر کبھی موت نہ آئے گی۔

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے۔ یہاں حضرت عمرؓ جوش وارفتگی میں تقریر کر رہے تھے، اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے سے انکار کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا "عمرؓ! تم بیٹھ جاؤ" لیکن انھوں نے وارفتگی میں کچھ خیال نہ کیا، تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی، اور تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا، اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے آپؓ نے فرمایا ؎۴

امابعد فمن کان یعبد محمدًا فان	اگر لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بے شک وہ
محمدًا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان	مر گئے اور اگر خدا کو پوجتے تھے تو بے شک وہ زندہ
اللہ حی لایموت قال اللہ تعالیٰ وما	ہے اور کبھی نہ مرے گا، خدا نے یہ تو فرماتا ہے "
مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ	"محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے
الرُّسُلُ الآیہ	رسول گزر چکے ہیں۔"

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا، خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی باموقع تھی کہ اسی وقت زبان زد خاص وعام ہو گئی، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی ؎۵

؎۱ بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ؎۲ بخاری باب الدخول علی المیت بعد الموت ؎۳ ایضاً
؎۴ بخاری باب الدخول علی المیت بعد الموت ؎۵ بخاری باب مرض النبیؐ ووفاتہ،

سقیفہ بنی ساعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، اور انصارؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی۔ مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے، اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو وقت پر اطلاع نہ ہوجاتی تو مہاجرینؓ اور انصارؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم دست و گریبان ہوجاتے، اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوجاتا، لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا، اس لیے اس نے آسمانِ اسلام پر ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مہر و ماہ پیدا کر دیئے تھے، جنھوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افقِ اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کافور کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسندِ خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن دقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردنِ اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں دو گروہ تھے، اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا، غرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے" اس پر حضرت حبابؓ بن المنذر انصاری بول اٹھے، نہیں، خدا کی قسم نہیں! ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا" حضرت ابوبکرؓ نے یہ جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا۔

"صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں، لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو ابوعبیدہؓ بن الجراح اور عمرؓ بن خطاب موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرو۔"

لیکن حضرت عمرؓ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا۔

"نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔"[1]

چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی با اثر اور معمر بزرگ نہ تھا اس لیے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا، اور تمام خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی۔ اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۱۸۔

دفعتاً رک گیا، اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔

اس فرض سے فارغ ہو کر دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی، اور حضرت ابوبکر صدیق نے منبر پہ بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح فرمائی۔

یاایھا الناس فانی قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوموني الصدق امانة والکذب خیانة والضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح علیہ حقہ ان شاء اللہ والقوی فیکم ضعیف عندی حتی اخذ الحق عنہ ان شاء اللہ لا یدع قوم الجھاد فی سبیل اللہ الا ضربھم اللہ بالذل ولا تشیع الفاحشۃ فی قوم قط الا عمھم اللہ بالبلاء واطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم قوموا الی صلاتکم یرحمکم اللہ[1]

صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری اعانت کرو، اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے، ان شاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں، ان شاء اللہ اور تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہانتک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں اچھا اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ، خدا تم پر رحم کرے۔

حضرت علیؓ کی بیعت | گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور باقاعدہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے، تاہم حضرت علیؓ اور ان کیساتھ بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی، اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب وغریب مباحث پیدا کر دیئے ہیں جن کی تفصیل کے لئے اس اجمال میں گنجائش نہیں

[1] طبقات ابن سعد جلد نمبر ۳ ق ا ص ۱۲۹

ممکن ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مخصوص تعلقات کی بناپر خلافت کے آرزومند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں، تاہم، ان کا حق پرست دل نفسانیت سے پاک تھا اسلیئے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی آرزو نے ان کو چھ ماہ تک جمہور مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا ہو اس بنا پر دیکھنا چاہیے کہ خود حضرت علیؓ نے اس توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے ابن سعد کی روایت ہے

عن محمد بن سیرین قال	محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ کی
لما بویع ابوبکر ابطأ علی	بیعت کی گئی تو علیؓ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ
فی بیتہ وجلس فی بیتہ قال	نشین رہے ابوبکرؓ نے کہلا بھیجا کہ میری بیعت سے
فبعث الیہ ابوبکر ما ابطأ بك عنی	آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے، کیا آپ میری امارت
اکرھت امارتی قال علی ما	کو ناپسند کرتے ہیں ؟ علیؓ نے کہا کہ میں آپ
کرھت امارتك ولکن آلیت	کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں
ان لا ارتدی بردائی الا	نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر
الی صلوٰۃ حتی اجمع القرآن[1]	لوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھونگا۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہوجانے کی حقیقی وجہ کیا تھی، ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باغ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے (جس کا تذکرہ آئندہ آیگا) .. خلیفۂ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کردیا تھا، اسلیئے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ انکے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو، چنانچہ جب انکا انتقال ہوگیا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو تنہا بلاکر انکے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا، اور کہا کہ خدا نے آپکو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر ہم اسمیں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے، حضرت علیؓ نے اسکو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفۂ اول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور جواب دیا، قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں، رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ جائیداد کا جھگڑا تو اسمیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا ہے غرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینہ دل صاف ہوگیا، اور بعد نماز ظہر حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کی طرف سے معذرت خواہی کی، اور حضرت علیؓ نے شاندار الفاظ میں ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ق ا و ا [2] بخاری غزوۂ خیبر

خلافت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات، مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی، منکرین زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی۔ ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کی مہم بھی درپیش تھی، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا، اسی مہم کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین وکذاب مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفۂ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی اور حکم رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا تھا، اسی کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے، چنانچہ آپ نے برہم ہو کر فرمایا "خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا۔" [1]

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ والی مہم غرض خلیفۂ اول نے خطرات ومشکلات کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا، اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کر کے ان کو نہایت زریں ہدایتیں فرمائیں چونکہ اسامہ رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسول صلعم پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ اس لیے انھوں نے تعظیماً عرض کی "اے جانشین رسول خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں، ورنہ میں بھی اتر تا ہوں" بولے "اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دیر تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں۔ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔" [2]

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی مہم رخصت ہو کر حدود شام میں پہنچی، اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی حضرت زید رضی اللہ عنہ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیانِ نبوت کا قلع قمع سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں بعض مدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے تھے چنانچہ مسیلمہ کذاب نے ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں، نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا تھا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۷۱۔ [2] طبری ص ۱۸۵۔

من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ
کذاب اما بعد فان الارض	کذّاب کو، امابعد، دنیا خدا کی ہے وہ اپنے
للہ یورثہا من یشاء من	بندوں میں جس کو چاہے گا اس کا وارث
عبادہ والعاقبۃ للمتقین [1]	بنائے گا اور انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بھی بہت سے مدعیانِ نبوت پیدا ہو گئے تھے، اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا۔ بنو غطفان اس کی مدد پر تھے، اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا، اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، مرد تو مرد، یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا۔ چنانچہ سجاح بنت حارثہ تمیمیہ نے نہایت زور شور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا، سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی، اور یہ مرض وبا کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا، اس کے انسداد کی سخت ضرورت تھی، اس بنا پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی، اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص موزوں ہو گا۔ حضرت علیؓ کا نام لیا گیا لیکن وہ اس وقت تک تمام تعلقات دنیوی سے کنارہ کش تھے، اس لیے قرعۂ انتخاب حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت ثابت ابن قیس انصاری کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت لے کر مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ [2]

حضرت خالد بن ولیدؓ نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متبعین کو قتل کیا اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا، اور عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے، اور تجدید اسلام کر کے حلقۂ مومنین میں داخل ہو گیا۔ [3]

مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لیے شرجیل بن حسنہؓ روانہ کیے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتدا کریں، حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی اعانت کے لیے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے مجاعہ کو شکست دی۔ اس کے بعد خود مسیلمہ سے مقابلہ ہوا۔ مسیلمہ نے اپنے متبعین کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی، اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہوئی، جس میں بہت سے حفاظ قرآن بھی تھے، لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ساتھ رہی، اور مسیلمہ کذاب وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسیلمہ کی بیوی سجاح جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مرگئی۔ [4]

---

[1] تاریخ طبری ص ۱۷۴۹۔ [2] تاریخ طبری ص ۱۸۸۷ [3] تاریخ یعقوبی ج ص ۱۴۵ [4] ایضاً ج ۲ ص ۱۴۷۔

اسود عنسی نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا حضرت ابوبکرؓ صدیق کے زمانے میں اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کو قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی نے نشہ کی حالت میں واصل جہنم کیا۔[1]

مرتدین کی سرکوبی حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے سرداران عرب مرتد ہو گئے۔ اور ہر ایک اپنے حلقہ کا بادشاہ بن بیٹھا چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اٹھایا، لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا۔ اسی طرح کندہ کے علاقے میں بہت سے بادشاہ پیدا ہو گئے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے مدعیان نبوت سے فارغ ہو کر اس طوائف الملوکی کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ علاء بن حضرمیؓ کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا۔ اسی طرح حذیفہ بن محصن کی تلوار سے لقیط بن مالک کو قتل کرا کے سرزمین عمان کو پاک کیا، اور زیادؓ بن لبید کے ذریعہ سے ملوک کندہ کی سرکوبی کی۔[1]

منکرین زکوٰۃ کی تنبیہہ مدعیان نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا چونکہ یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا۔ اسلیے اس کے خلاف تلوار اٹھانے کے متعلق خود صحابہؓ میں اختلاف رائے ہوا، چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحب رائے بزرگ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے لیکن خلیفہ اوّل کا غیر متزلزل ارادہ استقلال اختلاف رائے سے مطلق متاثر نہ ہوا، صاف کہہ دیا۔ "خدا کی قسم اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اسکے خلاف جہاد کروں گا۔ اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لیکر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت ابوبکرؓ صدیق کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔[2]

جمع و ترتیب قرآن مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے۔ خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں اس قدر صحابۂ کرام کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہو گیا کہ اگر صحابہؓ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے انھوں نے خلیفہ اوّل سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے، اس کو میں کس طرح کروں، حضرت عمرؓ نے کہا یہ کام اچھا ہے، اور ان کے بار بار کے اصرار سے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی چنانچہ انھوں نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو عہد نبوت میں کاتب وحی

---

[1] تاریخ طبری ص ۱۸۶۳ [2] تاریخ طبری ص ۱۸۶۳ [3] بخاری ج ۱ ص ۱۸۸۔

تھے، قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا، پہلے ان کو بھی اس کام میں عذر ہوا لیکن پھر اس کی مصلحت سمجھ میں آگئی، اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا ۱؎

ایک غلط فہمی کا ازالہ قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہد نبوت میں کلام کی آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی، اور نہ سورتوں کے نام وضع ہوئے تھے، اس لیے عہدِ صدیقی میں جو کام انجام پایا وہ ان ہی آیات و سور کو باہم مرتب کرنا تھا، لیکن یہ ایک افسوس ناک غلطی ہے درحقیقت جس طرح قرآن کی ہر آیت الہامی ہے، اسی طرح آیات و سُور کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں اور خود مہبطِ وحی والہام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ تمام کام انجام پاچکے تھے چنانچہ ہم اس بحث کو کس قدر تفصیل سے لکھتے ہیں

کلامِ پاک کی آیتیں اور سورتیں عہدِ نبوت میں مرتب ہوچکی تھیں قرآن کریم کی آیتیں عموماً کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آجانے پر نازل ہوتی تھیں، اور صحابہؓ انکو کھجور کی شاخ، ہڈی، چمڑے، پتھر کی تختی یا کسی خاص قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیتے جاتے تھے۔ جب ایک سورہ ختم ہوجاتی تو وہ علیحدہ نام سے موسوم ہوجاتی تھی اور پھر دوسری شروع ہوجاتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوتیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو الگ الگ لکھواتے جاتے۔ غرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہوچکی تھیں اور ان کے نام بھی قرار پاچکے تھے۔ حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں فلاں فلاں سورتیں پڑھیں، یا فلاں سورۃ سے فلاں سورۃ تک تلاوت فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورہ اعراف پڑھی اسطرح اور حدیثوں میں تصریح آیا ہے کہ آپ نے نماز میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہ ہوگی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی۔

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا علامہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

قد اعلم اللّٰہ تعالٰی فی القراٰن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ یتلوا صحفا مطھرۃ الاٰیۃ، وکان القراٰن مکتوبا فی الصحف لکن	اللہ تعالٰی نے قرآن شریف میں اپنے قول یتلوا صحفا مطھرۃ الاٰیہ" میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے، قرآن شریف صحیفوں میں لکھا ہوا تھا

۱؎ بخاری ج ۲ ص ۷۴۵۔

كانت متفرقة فجمعها ابوبكر	لیکن متفرق تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک
فى مكان واحد ثم كانت بعده	جگہ جمع کر دیا پھر ان کے بعد محفوظ رہا، یہاں
محفوظة الى ان امر عثمان بالنسخ	تک کہ حضرت عثمانؓ نے متعدد نسخے
منها عدة مصاحف وارسل	نقل کرا کے دوسرے شہروں کو
بها الى الامصار (فتح البارى ج ۹)	روانہ کر دیئے۔

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے حکم سے حضرت زیدؓ نے صرف قرآن شریف کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا۔

صحیفۂ صدیقی کب تک محفوظ رہا حضرت زیدؓ بن ثابت کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے خزانہ میں محفوظ رہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا۔ حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ فرمایا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دیں، البتہ جس کو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہؓ سے عاریتًہ لے کر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات میں روانہ کر دیئے لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا۔ جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا، لیکن انھوں نے دینے سے انکار کر دیا، اور تاحیات اپنے پاس محفوظ رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لے کر اس کو ضائع کر دیا۔ [1]

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۱۰۔

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی، ایک طرف شام پر رومی پھریرا رہا تھا، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا، ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد و جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائیں، خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کیلئے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں، بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لیے بھیجیں، اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا، چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا فرمان روا تھا اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگذار ہو گئے تھے۔ اسی طرح شاپور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا، یہ عربوں کا حد درجہ دشمن تھا، جو روسائے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا۔ اسی سے عرب میں "ذوالاکتاف" یعنی شانوں والے کے لقب سے مشہور ہوا[۱] لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت قوم دب کر رہنا نہ جانتی تھی، اسی لیے جب کبھی موقع ملا بغاوت برپا ہو گئی، یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں۔ چنانچہ فرماں روایان یمن کے علاوہ قبیلۂ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی، اور اسکے ایک فرماں روا عمرو بن عدی نے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا۔

گو شاہان عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا، اور بالآخر اپنی سلطنت کا جزو بنا لیا، تاہم عمرو بن عدی کا خاندان مدتوں ایک باجگذار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اسی سرزمین میں آباد ہوتے رہے، غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی چنانچہ جنگ ذی قار میں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی۔ جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو آپ نے فرمایا۔[۲]

هذا اول یوم انتصفت العرب من العجم۔ — یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔

اسی طرح سنہ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے، تو پرویز شہنشاہ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامۂ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا، اور برہم ہو کر کہا "میرا

---

[۱] تاریخ الطوال ص ۴۹ [۲] عقد الفرید جلد ۳ ص ۸۱

غلام ہوکر مجھے یوں لکھتا ہے [1]

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا۔ عرب کے بہت سے قبائل مثلاً سلیح، غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جاکر آباد ہوگئے تھے، اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کرکے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کرلی تھیں، اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہوگئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدود شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی، اور ۶ھ میں حضرت دحیہ کلبیؓ قیصر روم کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر واپس آرہے تھے، تو شامی عربوں نے ان کا مال واسباب لوٹ لیا [2] اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارثؓ بن عمیر کو بصریٰ کے حاکم عمر بن شرجیل نے قتل کرادیا، ۸ھ میں غزوۂ موتہ اسی قتل و غارتگری کا انتقام تھا جس میں بڑے بڑے صحابہؓ کام آئے [3]

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں، لیکن جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشقدمی کرکے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا حوصلہ پست ہوگیا اور عارضی طور پر لڑائی رک گئی، تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامنگیر تھا، چنانچہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حفظ ماتقدم کے خیال سے حضرت اسامہؓ بن زید کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بنا ہوا تھا خصوصاً اسلام کی روزافزوں ترقی نے انھیں اور بھی مشکوک کردیا تھا جو اس عربی نونہال کے لیے حد درجہ خطرناک تھا، خلیفۂ اول نے ان ہی اسباب کی بناپر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں

مہم عراق اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت وطوائف الملوکی کے باعث اپنی اگلی عظمت وشان کو کھوچکی تھی، یزدگرد شہنشاہ ایران نابالغ تھا، اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی۔ عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تختۂ مشق رہ چکے تھے، ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے۔ چنانچہ موقع پاکر نہایت زور وشور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اور قبیلۂ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی وسوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچاکر حرہ دابلہ کے نواح میں غارتگری شروع کردی۔ مثنیٰ اسلام لاچکے تھے، انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس لیے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوکر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی، اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی

---

[1] طبری ص ۲۰۷۵ [2] اسد الغابہ تذکرۂ دحیہؓ بن خلیفہ کلبی [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

سرحد میں گھس گئے اس وقت تک حضرت خالدؓ بن ولید مدعیان نبوت و مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰ کی کمک پر روانہ فرمایا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقیا، کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہو گئے۔ یہاں شاہ جاپان سے مقابلہ کیا، اور اس کو شکست دی۔ پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے۔ نعمان ہزیمت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا، یہاں سے خورنق پہنچے، لیکن اہل خورنق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر صلح کر لی۔ غرض اس طرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔ ؎۱

حملۂ شام | مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابہؓ کرام سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ حمص پر، یزیدؓ بن ابی سفیان دمشق پر، شرحبیلؓ بن حسنہ اردن پر، اور عمروؓ بن العاص فلسطین پر مامور ہوئے۔ مجاہدین کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا، اور بارگاہ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لیے لکھا۔ چونکہ اس وقت دارالخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی، اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو نہایت انتشار ہوا، اور اسی وقت حضرت خالدؓ بن ولید کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ مثنیٰ کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ یہ فرمان پہنچتے ہی خالدؓ بن ولید ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزم گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ؎۲

حضرت خالدؓ بن ولید کو راہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں، چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سدراہ ہوئی۔ عقبہ بن ابی ہلال النمری اس فوج کا سپہ سالار تھا۔ حضرت خالدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو ہزیمت دی وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارز طلبی کی۔ ہذیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کیے گئے۔ پھر یہاں سے انبار پہنچے، اور انبار سے

؎۱ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۷۔ یہ سلاطین ایرانی حکومت کے باجگذار تھے ؎۲ تاریخ طبری وفتوح الشام بلاذری ص ۱۱۶

صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے۔ اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لی۔ تدمر سے گزر کر حوران آئے۔ یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی۔ اسے فتح کر کے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے، اور متحدہ قوت سے بصریٰ، فحل اور اجنادین کو مسخر کر لیا۔ اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے، لیکن انجام کار میدان ان ہی کے ہاتھ رہا اور جمادی الاول ۱۳ھ سے اجنادین ہمیشہ کے لیے اسلام کا زیر نگیں ہو گیا۔[1]

اجنادین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا، لیکن اس کے مفتوح ہونے سے پہلے ہی خلیفہ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس لیے اس کی تفصیل فتوحات فاروقی کے سلسلہ میں آئے گی۔

متفرق فتوحات عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا۔ انہوں نے توج، مکران اور آس پاس کے علاقوں کو زیر نگیں کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرمیؓ زارہ پر مامور ہوئے۔ انھوں نے زارہ اور اس کے اطراف کو زیر نگیں کر کے اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہ اول نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام، مرد و عورت اور شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔[2]

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱۔ [2] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱

مرض الموت استخلاف حضرت عمر فاروقؓ

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے، اور اس قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی، پیام اجل پہنچ گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد و خنک تھا۔ آپ نے غسل فرمایا، بعد بخار آ گیا، اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا۔ اس اثنائے میں مسجد تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کی خدمت انجام دیتے تھے۔

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا، اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی تو صحابہ کرامؓ کو بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا، اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا "عمر کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، لیکن وہ کسی قدر متشدد ہیں"۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "میرے خیال میں عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے" لیکن بعض صحابہؓ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس و پیش تھا۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ عیادت کیلئے آئے تو شکایت کی کہ آپؓ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ جب آپ کے سامنے وہ اس قدر متشدد تھے، تو خدا جانے آئندہ کیا کریں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا "جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو ان کو خود نرم ہونا پڑے گا"۔ اسی طرح ایک دوسرے صحابیؓ نے کہا، آپ عمرؓ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین کرتے ہیں۔ ذرا سوچ لیجئے، آپ خدا کے یہاں جا رہے ہیں، وہاں کیا جواب دیجئے گا۔ فرمایا "میں عرض کروں گا خدایا! میں نے تیرے بندوں میں سے اس کو منتخب کیا ہے جو ان میں سے سب سے اچھا ہے"۔ غرض سب کی تشفی کر دی، اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا۔ ابتدائی الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا، تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھ کر سناؤ۔ انھوں نے پڑھا تو بیساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے، اور کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔ غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنا دے، اور خود بالاخانہ پر تشریف لے جا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگوں سے سب سے بہتر ہے۔ تمام حاضرین نے اس حسن انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت

مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں [1]۔

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی حضرت عائشہؓ کو انھوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دے دی تھی، لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی۔ اس لیے فرمایا "جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے۔ کیا تم اس میں اپنے دوسرے بھائی کو شریک کرلو گی؟ حضرت عائشہؓ نے حامی بھر لی، تو آپ نے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے لیے وصیت فرمائی، اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں، عائشہ میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں؛ چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی ہے۔ اگر ہو تو اس کو بھی عمرؓ کے پاس بھیج دینا گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کا شانۂ صدیقی سے برآمد نہیں ہوئی۔ [2]

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے دو کپڑوں کے ساتھ کفن دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے کفن کے لیے نیا ہونا چاہیئے۔ فرمایا "زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں۔ میرے لیے یہی پھٹا پرانا بس ہے۔"

اس کے بعد پوچھا آج کون سا دن ہے؛ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ پھر پوچھا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دوشنبہ کے روز۔ فرمایا، تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں" چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی دوشنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الآخر ۱۳ھ کو رہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔ [3] انا للہ وانا الیہ راجعون

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا۔ آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا، اور اس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق زندگی آپ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لیے جنت میں پہنچ گیا۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ وصیت ابوبکرؓ ص ۲۴۔ [2] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۱۳۶۔ [3] طبقات ابن سعد

کارنامہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے۔ خصوصاً انھوں نے سوا دو برس کی قلیل مدتِ خلافت میں اپنی مساعی جمیلہ کے جو لازوال نقش ونگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیان نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھی۔ منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روشن ضمیری، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا، بلکہ پھر اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ یہی ذاتِ گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے۔ مہمات امور کا فیصلہ ہوا یہاں تک کہ روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے گئے۔ تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی، ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الٰہیہ کی ترتیب و تنظیم کا سنگِ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؓ ہی کا نام لیا جا سکتا ہے، اور دراصل وہی اس کے مستحق ہیں، اس لیے اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عہد صدیقی کی وہ کون سی داغ بیل تھی جس پر عہد فاروقی میں اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی

نظامِ خلافت | اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا، اور عملاً جس قدر بڑے بڑے انجام پائے، سب میں کبار صحابہؓ رائے و مشورہ کی حیثیت سے شریک تھے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے صاحب رائے و تجربہ اکابر صحابہؓ کو کبھی دار الخلافت سے جدا نہ ہونے دیا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد کیا تھا۔ لیکن۔ انھوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ

میں مدد دینے کے لیے چھوڑ جائیں۔[1]

شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہؓ کی ایک جماعت میں مشورہ کے لیے پیش کیا۔ ان لوگوں کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھوڑنے میں پس وپیش تھا، لیکن حضرت علیؓ نے موافق رائے دی[2] اور پھر اسی پر اتفاق ہوا، اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد، حضرت عمرؓ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی، البتہ عہد فاروقی کی طرح اس وقت مجلسِ شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا، تاہم جب کوئی امر اہم پیش آ جاتا تو ممتاز مہاجرین وانصار جمع کیے جاتے تھے، اور ان سے رائے لی جاتی تھی۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے۔

ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل به	جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ
امر یرید فیه مشاورة اهل الرای	اہل الرائے وفقہائے صحابہ سے مشورہ
واهل الفقه ودعا رجالا من	لیتے تھے اور مہاجرین وانصار میں سے
المهاجرین والانصار دعا عمر	چند ممتاز لوگ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰنؓ
وعثمان وعلیا وعبد الرحمٰن بن	بن عوف، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ
عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب	اور زید بن ثابتؓ کو بلا لیتے تھے۔ یہ
وزید بن ثابت کل هؤلاء یفتی	سب حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت
فی خلافة ابی بکر[3] الخ	میں فتوے بھی دیتے تھے۔

ملکی نظم ونسق نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم ونسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہدوں کی تقسیم، اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے دائرۂ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہیئے۔ انھوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا چنانچہ، مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل وغیرہ علیحدہ علیحدہ صوبے تھے۔[4] ہر صوبے میں ایک عامل ہوتا تھا، جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ البتہ خاص دار الخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کیے گئے تھے۔ مثلاً حضرت ابوعبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے۔ حضرت عمرؓ قاضی

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۹ [3] طبقات ابن سعد قسم ۲ جز ۲ ص ۱۰۹ [4] تاریخ طبری ص ۲۱۳۶

تھے، اور حضرت عثمانؓ و حضرت زیدؓ بن ثابت دربار خلافت کے کاتب تھے۔ [۱]

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے، اور ان سے ان ہی مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے۔ مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسیدؓ، طائف پر عثمانؓ بن ابی العاص، صنعا پر مہاجر بن امیہؓ، حضرموت پر زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر علاءؓ بن الحضرمی مامور تھے۔ اس لیے خلیفۂ اوّل نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا [۲] حضرت ابوبکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت موثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے، چنانچہ عمروؓ بن العاص اور ولیدؓ بن عقبہ کو قبیلۂ قضاعہ پر محصلِ صدقہ بنا کر بھیجا، تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔

اتق اللہ فی السر والعلانیہ فانہ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیاتہ ویعظم لہ اجراً فان تقوی اللہ خیر ما تواصی بہ عباد اللہ انک فی سبیل اللہ لا یسعک فیہ الادھان والتفریط والغفلۃ عما فیہ قوام دینکم وعصمۃ امرکم فلا تن ولا تفتر الخ	خلوت و جلوت میں خوف خدا رکھو جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اسکا اجر دوبالا کر دیتا ہے بیشک بندگان خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے تم خدا کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اس لیے سستی و تغافل کو راہ نہ دینا۔

اسی طرح یزیدؓ بن سفیان کو مہم کی امارت سپرد کی تو فرمایا:۔

یا یزید ان لک قرابۃ عسیت	اے یزید! تمہاری قرابت داریاں ہیں۔

---

[۱] ایضاً ص ۱۳۵ [۲] تاریخ طبری ص ۲۰۸۳ [۳] تاریخ طبری ص ۳۰۸۳

ان تؤثرهم بالامارة وذلك	شاید تم ان کو اپنی امارت سے
اكبرما اخاف عليك فان	فائدہ پہنچاؤ۔ درحقیقت یہی سب
رسول الله صلى الله عليه	سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا
وسلم قال من ولى من امر	ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
المسلمين شيئا فامر عليهم	ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر
احدا محاباة فعليه لعنة	ہوا اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت
الله لا يقبل الله منه	کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت
صرفا ولا عدلا حتى يدخل	ہو خدا اسکا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے
جهنم [1]	گا یہانتک کہ اسکو جہنم میں داخل کرے گا

حکام کی نگرانی کسی حکومت کا قانون وآئین گو کیسا ہی مرتب ومنتظم ہو، لیکن اگر ذمہ دار احکام کی نگرانی اور ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام درہم برہم ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول کو اپنی فطری نرم دلی، تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد، احتساب اور نکتہ چینی سے کام لینا پڑا۔ ذاتی معاملات میں رفق وملاطفت ان کا خاص شیوہ تھا، لیکن انتظام ومذہب میں اس قسم کی مداہنت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے۔ یمامہ کی جنگ میں مجاعہ حنفی نے جو مسیلمہ کذاب کا سپہ سالار تھا حضرت خالد بن ولید کو دھوکہ دے کر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجۂ اقتدار سے بچا لیا۔ حضرت خالد بن ولید نے اس غداری پر اس کو سزا دینے کی بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی۔ چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے۔ اس لیے ابوبکر صدیق نے حضرت خالدؓ کی اس مسامحت پر سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے لکھا۔

تتوثب على النساء وعند	یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس
اطناب بيتك دماء	مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تم عورتوں
المسلمين [2]	کے ساتھ عیش وعشرت میں مصروف ہو

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا حضرت خالد بن ولید اس کی تنبیہ پہ مامور ہوئے، لیکن انھوں

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۶ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۸۔

نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اسکو قتل کر ڈالا۔ مالک کا بھائی شاعر تھا۔ اس نے اس کا نہایت پُر درد مرثیہ لکھا، اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کیلئے تیار تھا۔ مگر خالدؓ نے محض ذاتی عداوت سے قتل کر دیا۔ دربارِ خلافت تک اسکی اطلاع پہنچی تو اس غلطی پر حضرت خالدؓ سخت موردِ عتاب ہوئے لیکن وہ جو کام کر رہے تھے اسلئے کوئی دوسرا ان سے زیادہ موزوں نہ تھا اسلیے اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے[1]

تعزیر وحدود حضرت ابوبکر صدیقؓ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے چنانچہ عہدِ نبوت میں قبیلۂ اسلم کے ایک شخص نے انکے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا، تو بولے تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے"؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا، خدا سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو، خدا بھی اس کو چھپائے گا، کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے"۔ اگر اس نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا، لیکن خود دربارِ رسالت میں آکر متواتر چار دفعہ اقرارِ جرم کیا، اور بالآخر سنگسار ہوا۔[2]

زمانۂ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی، چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعیٔ نبوت تھا جب گرفتار ہو کر آیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف اس کو رہا کر دیا بلکہ اپنی ہمشیرہ حضرت ام فروہؓ سے اس کا نکاح کر دیا[3] لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفۂ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ انھوں نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ان کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی، البتہ اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا، اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں۔ مثلاً حد خمر کے نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل مختلف تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لیے چالیس دُرّے کی سزا لازمی کر دی۔[4]

حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو لکھا کہ حوالیٔ مدینہ میں ایک شخص علتِ ابنہ میں مبتلا ہے، چونکہ اہلِ عرب کیلئے ایک جدید جرم تھا اور حدیث و قرآن میں اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جلانے کی رائے دی، اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کیا۔[5]

ان کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۸ [2] مسند ابن حنبل ج ۱ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۹۴، [4] ابوداؤد کتاب الحدود
[5] الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۱۱۶ بحوالہ ابن الدنیا

تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا، اس کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتے تھے چنانچہ اس زمانہ میں عبداللہ بن ایاس سلمی مشہور رہزن تھا۔ جس نے ملک میں ایک غدر برپا کر رکھا تھا حضرت ابوبکرؓ نے طریفہ بن حاجر کو بھیج کر نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو گرفتار کرایا، اور آگ میں جلانے کا حکم دیا، لیکن اسی کے ساتھ حدود شریعت سے تجاوز کسی حالت میں جائز نہیں رکھتے تھے، اور ان موقعوں پر ان کا طبعی حلم و کرم صاف نمایاں ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجرین امیہؓ نے جو یمامہ کے امیر تھے۔ دو گانے والی عورتوں کو اس جرم پر کہ ان میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی تھی، اور دوسری مسلمانوں کو برا کہتی تھی، یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دانت اکھڑوا ڈالے حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس سزا پر سخت برہمی ظاہر فرمائی اور لکھا کہ بے شک انبیاء کا سب و شتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اور اگر سزا میں تم عجلت نہ کرتے تو میں قتل کا حکم دیتا، کیونکہ وہ اگر مدعی اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہو گئی، اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلاف عہد کیا، لیکن دوسری جو صرف مسلمانوں کو برا کہتی تھی، اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہئے تھے، کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لیے معمولی تنبیہہ و تادیب کافی تھی، اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے درگزر کر دیا تو مسلمانوں کو برا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بہر حال یہ تمہاری پہلی خطا نہ ہوتی تو تمہیں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا دیکھو! مثلہ سے ہمیشہ محترز رہو، یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے۔ مجبوراً صرف قصاص میں مباح ہے۔ [1]

مالی انتظامات | عہد نبوت میں صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی انتظام قائم رہا، چنانچہ انھوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد، غلام، مرد، عورت اور ادنی و اعلی کو بلا تفریق دس دس درہم عطا کیے۔ دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوتی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے۔ ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و منقبت اور چیز ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق [2] البتہ اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ اخیر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا۔ لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا، اسی لیے بیت المال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کہا

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۶ [2] طبقات ابن سعد ق ۱ جلد ۳ ص ۱۵۱

کہا خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے؛ فرمایا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔ [1]

خلیفۂ اوّل کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کو ساتھ لے کر مقام سنح میں بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا دو لاکھ دینار۔ [2]

فوجی نظام عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا، بلکہ جب ضرورت پیش آتی، تو صحابۂ کرام خود ہی شوق سے علم جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورت حال باقی رہی، لیکن انھوں نے اس پر اس قدر اضافہ کر دیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کرکے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے۔ چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی، اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا۔ یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے۔ امیر الامرا، کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفۂ اوّل کی ایجاد ہے، اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔ [3]

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی۔ یعنی حضرت خالدؓ بن ولید نے تعبیہ کا طریقہ ایجاد کرکے میدان جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا۔ اسی طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے نہ ہونے سے فوج میں ابتری پھیل جاتی تھی۔ اس کا سدباب ہو گیا۔ [4]

فوج کی اخلاقی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدینؓ کے عہد میں جس قدر لڑائیاں پیش آئیں، وہ سب للہیت اور اعلائے کلمۃ اللہ پر مبنی تھیں۔ اس لیے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصد عظیم کے لیے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں تمام دنیا کی فوجوں سے ممتاز ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی فوجی تربیت میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کبھی فوج کسی مہم پر روانہ ہوئی تو خود دور تک پیادہ ساتھ گئے اور میر لشکر کو زریں نصائح کے بعد رخصت فرمایا۔ چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو سپہ سالار سے فرمایا:

[1] ایضاً [2] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۵۱ [3] فتوح البلدان ص ۱۱۵ [4] تاریخ طبری۔

انک تجد قوما زعموا انهم	تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے
حبسوا انفسهم لله فذرهم	اپنے آپ کو خدا کی عبادت کیلئے وقف
وانی موصیک بعشر، لا تقتلوا	کر دیا ہے، ان کو چھوڑ دینا، میں تم کو
امرءة ولا صبیا ولا کبیرا	دس وصیتیں کرتا ہوں، کسی عورت، بچے
هرما ولا تقطعن شجرا مثمرا	اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت
ولا تخربن عامرا ولا تعقرن	کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا
شاة ولا بعیرا الا لاکله	بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بیکار
ولا تحرقن نخلا ولا تغللن	ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت
ولا تجبن۔	میں غبن نہ کرنا، اور بزدل نہ ہو جانا۔ [1]

سامانِ جنگ کی فراہمی حضرت ابوبکر صدیق نے سامانِ جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی، اس کا ایک معقول حصہ سامان باربرداری اور اسلحہ کی خریداری پر صرف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مالِ غنیمت میں خدا، رسول اور ذوالقربیٰ کے جو حصے قرار دیئے تھے۔ ان کو فوجی مصارف کے لیے مخصوص کر دیا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری مصارف کے بعد اس کو اسی کام میں لگاتے تھے [2]

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے مقام بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جس میں ہزاروں جانور پرورش پاتے تھے۔ مقام ربذہ میں بھی ایک چراگاہ تھی جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔ [3]

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ حضرت ابوبکر صدیق نے ضعف و پیری و ہجوم افکار کے باوجود خود بھی چھاؤنیوں کا معائنہ نہ فرماتے تھے، اور سپاہیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی اس کی اصلاح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مہم کے لیے مقام جرف میں فوجیں مجتمع ہوئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق معائنہ کے لیے تشریف لے گئے۔ بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی۔ انھوں نے ہر ایک کو مرحبا کہا۔ ان لوگوں نے عرض کی یا خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے ہیں۔ اس لیے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۶ [2] کتاب الخراج ص ۱۲ [3] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد۔

فرمایا: "خدا تمہاری ہمت و ارادہ میں برکت دے، لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا، کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ میں آچکا ہے"۔ اس پر ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں" حضرت ابوبکرؓ نے ڈانٹ کر کہا: چپ احمق، تجھ سے ہر ایک عبسی اچھا ہے"، بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے، مگر انھیں بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا۔ غرض اسی طرح چھاؤنیوں میں جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔[1]

بدعات کا سدِباب تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزو مذہب ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں کہ بانیانِ مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرازیوں میں امتیاز و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں، تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا تو انھوں نے اس کو مٹا دیا، ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ احمس کی عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی۔ انھوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے کہا اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے۔ یہ سن اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں، تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو۔ اس نے کہا، آپ کون ہیں؟ بولے، ابوبکر صدیقؓ

خدمتِ حدیث حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں بھی جمع فرمائی تھی لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلافِ واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائے گا، لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیط کی ہے۔ بایں ہمہ انھوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا۔ صحابہ کرام کو جمع کر کے خاص طور سے فرمایا:۔

انکم تحدثون رسول اللہ	تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی
(صلی اللہ علیہ وسلم) احادیث	حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم خود ہی باہم
یختلفون فیہا والناس	اختلاف رکھتے ہو۔ تمہارے بعد جو لوگ
بعد کم اشد اختلافا فلا	آئیں گے تو ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع

---

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد [2] بخاری ج ۱ ص ۵۴۱

تحدثوا عن رسول اللہ	ہوگا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم شیئًا	سے کوئی روایت نہ کرو اور جو کوئی تم سے سوال
فمن سألکم فقولوا بیننا	کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان
وبینکم کتاب اللہ فاستحلوا	خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کو حلال سمجھو
حلالہ وحرموا حرامہ [1]	اور اس کے حرام کو حرام قرار دو۔

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ انھوں نے مطلقاً روایت کا دروازہ بند کردیا، بلکہ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو، روایت نہ کرنا چاہیئے چنانچہ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا تھے، اور جب کسی روایت کی پوری طرح تصدیق ہوجاتی تو بغیر پس وپیش اس کو قبول فرمالیتے تھے۔ ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا، چونکہ قرآن مجید اسکے متعلق خاموش ہے۔ اسلیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ موجود تھے۔ انھوں نے کہا: میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ علیہ وسلم دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ احتیاطاً پوچھا: کوئی گواہی پیش کرسکتے ہو؟ حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے کھڑے ہوکر اس کی تصدیق کی، تو اسی وقت حکم نافذ کردیا۔[2] بعد کو حضرت عمرؓ نے اس اصول سے زیادہ کام لیا آپ کے قبول حدیث کے اور بھی واقعات ہیں۔

محکمۂ افتاء | حضرت ابوبکرؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق وتنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا ایک محکمہ قائم کردیا تھا حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت جو اپنے علم واجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے۔ ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی۔[1] حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی پابندی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

اشاعت اسلام | نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم فرض دین متین کی تبلیغ واشاعت ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کار خیر میں شروع سے جو غیر معمولی انہماک تھا، اس کا ایک اجمالی تذکرہ گذر چکا ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں اسی خورشید صداقت کے پرتو ضیا سے منور ہوئے ہیں۔ خلافت کا بار آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرۃً یہ انہماک زیادہ

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳ [2] ایضاً۔

ترقی کر گیا۔ تمام عرب میں پھر نئے سرے سے اسلام کا غلغلہ بلند کیا اور رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو فوجیں روانہ فرمائیں انھیں ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز قبائل عرب جو ان اطراف میں آباد ہیں ان میں اس دعوت کو پھیلائیں، کیونکہ وہ قومی یکجہتی کے باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مثنیٰ بن حارثہ کے مساعی جمیلہ سے بنی وائل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت خالدؓ بن ولید کی دعوت پر عراق، عرب اور حدود شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا۔

حیرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود بخود اسلام قبول کیا، یمن میں اشعث اور اس کے رفقاء نے پھر تجدید اسلام کی۔ اسی طرح طلیحہ جو مدعی نبوت تھا، حضرت خالدؓ بن ولید کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہنچا تو اس نے بطور اعتذار حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا۔ [۲]

فهل یقبل الصدیق انی مراجع　　ومعط بما احدثت من حدث یدی

کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اسکو قبول فرمائیں گے کہ میں واپس آؤں　　اور میرے ہاتھوں نے جو گناہ کیے ہیں ان کی تلافی کروں

وانی من بعد الضلالة شاهد　　شهادة حق لست فیها بملحد

اور گمراہی کے بعد میں گواہی دیتا ہوں　　ایک ایسی سچی گواہی کہ اس سے ہٹنے والا نہیں ہوں

اس اعتذار و اقرار ایمان سے حضرت صدیقؓ کا آئینہ دل طلیحہ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا، اور اسکو مدینہ آنے کی اجازت دے دی، لیکن وہ اس وقت پہنچا جب کہ آفتاب صداقت دنیا سے ہمیشہ کیلئے غروب ہو چکا تھا۔ [۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایفائے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرضوں کا چکانا —— اور وعدوں کو پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اولیں فرصت میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی —— اور جیسے ہی بحرین کی فتح کے بعد اس کا مال غنیمت مدینہ پہنچا، انھوں نے اعلان عام کر دیا کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو یا آپؐ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا [۴] نیز حضرت

[۱] طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۲ ص ۱۰۹ [۲] یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵ [۳] ایضاً [۴] بخاری ج ۱ ص ۳۰۷

ابوبشیرؓ مازنی کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت اور متعلقین کا خیال | باغِ فدک اور مسئلہ خمس کے منازعات نے گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی خصوصاً حضرت فاطمہؓ کو اس کا رنج تھا تاہم خلیفہ اول نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف و محبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدہ جنت سے عفو خواہ ہو کر ان کا آئینہ دل صاف کر دیا۔[2]

امہات المؤمنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ ناموس کا خاص خیال تھا۔ عکرمہؓ بن ابوجہل نے حضر موت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منکوحہ حرم قتیلہ بنت قیس سے نکاح کر لیا، تو انھوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلا دیں، لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور کہا کہ قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا۔ وہ حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں، اسلیے امہات المومنین میں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے لیے کوئی وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپؐ کا خاص لطف و کرم رہتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا خیال رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔[4] حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اسی طرح سندر نام ایک غلام کو آپؐ نے آزاد کر کے فرمایا تھا کہ تیرے حق میں ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو ان کے لیے وظیفہ مقرر فرمایا اور تا حیات اس کو جاری رکھا۔[5]

ذمی رعایت کے حقوق | عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیروؤں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعہ سے ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا، بلکہ اپنے مہر و دستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی۔ اسی طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے، وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے یہ الفاظ تھے:۔

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ ولا تقصر قصورھم	ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائیگا

---

[1] طبقات ابن سعد [2] ایضاً [3] اسد الغابہ تذکرہ قتیلہ بنت قیس۔ [4] استیعاب تذکرہ ام ایمن [5] ایضاً تذکرہ سندر

التی کانوا یتحصنون اذا نزل	جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے
بھم عدولھم ولا یمنعون	مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں۔ ناقوس
من ضرب النواقیس	(اور گھنٹے بجانے) کی ممانعت نہ ہوگی اور
ولا من اخراج الصلبان	تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے
فی عیدھم ۱؎	سے روکے نہ جائیں گے۔

یہ معاہدہ نہایت طول ہے۔ یہاں صرف وہی جملے نقل کیے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

خلیفہ اول کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے، اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیے گئے تھے۔ معاہدوں میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائے گا نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا۔ ۲؎ کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی و رعایا پروری کی نظیر پیش کر سکتی ہے؟

۱؎ کتاب الخراج۔ ۲؎ ایضاً ص ۷۲

فضائل ومناقب

بارگاہِ نبوت میں رسوخ حضرت ابوبکر صدیق محبوب بارگاہ و محرم اسرارِ نبوت تھے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح وشام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اکثر مہمات امور حضرت ابوبکر صدیق کی شرکت سے طے پاتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کاشانہ اقدس پہ حاضر رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ انھوں نے تین اصحاب صفہ کو کھانے پر مدعو کیا۔ لیکن وہ خود دیر تک بارگاہِ نبوت سے واپس نہ آسکے جب رات زیادہ گذر گئی اور گھر آئے تو یہ معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا اپنے صاحبزادے پر سخت برہم ہوئے۔ [۱]

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بھر حضرت ابوبکرؓ صدیق سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ نیز ان کی رازداری وخلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے۔ ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کا تمام کام صرف حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اہل وعیال سے متعلق تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار میں پوشیدہ ہونا، حضرت عبداللہ کا رات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت عامر بن فہیرہ کا روزانہ بکریاں لانا، حضرت اسماؓ کا کھانا پہنچانا، غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا، وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھا۔

حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس رفیق جان نثار کے ساتھ جو مخصوص تعلق اور خلوص تھا، اس کا آپ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا، چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی، اس میں ارشاد ہوا۔ [۲]

"ابوبکر اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے، اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنی دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت ومحبت افضل ہے۔" [۳]

اس کے بعد حکم ہوا کہ ابوبکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب

---

[۱] بخاری کتاب الآداب باب قول الضیف لا اکل حتی تاکل وکتاب المناقب باب علامۃ النبوۃ قبل الاسلام

[۲] بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ [۳] ایضاً

بند کر دیئے جائیں گے۔[1] اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ بن العاص نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا۔ ابو بکرؓ [2]

اسی غیر معمولی تقرب ورسوخ کی بنا پر صحابۂ کرام جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برہم دیکھتے تھے تو ان ہی کی وساطت سے عفو ودرگذر کی درخواست پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل ابن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا، چونکہ یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر پھر حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا تو چہرۂ مبارک لبشاش ہو گیا، اور برہمی کے آثار جاتے رہے۔ اسی طرح ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے، اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کاشانۂ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو گو صحابۂ کرام کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلفشار تھا تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔ بالآخر سب نے حضرت ابو بکرؓ کو آگے بڑھایا، اور انھوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت فرمائی، تو ارشاد ہوا کہ جو دنیا وآخرت میں ہونے والا ہے وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے

اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے جس معاملہ میں جو رائے دی وہ مقبول ہو کر رہی۔ رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو بھی کبھی ظاہر ہونے نہ دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی صاحبزادی حفصہؓ کا پیغام دیا، سن کر خاموش رہے، اور جب کچھ دنوں کے بعد وہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہو گی بولے کیوں نہیں فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے آگاہ تھا، اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔[3]

غرض ان ہی اوصاف نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہ نبوت میں سب سے زیادہ معتمد علیہ اور بارسوخ بنا دیا تھا۔

علم وفضل | حضرت ابو بکر صدیقؓ نے گو کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جودت طبع اور دربار نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل وکمال پر مہر درخشاں ہو کر چمکے، فصاحت وبلاغت میں کمال رکھتے تھے، ابتداء میں شاعری کا ذوق بھی تھا، لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا، کبھی کبھی جذبات

---

[1] ایضاً [2] ؎ [3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر

خیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوگئی۔ بے اختیار ان کو گود میں اٹھالیا، اور فرمایا: [1]

وبابی شبیہ النبی ‏ ‏ لیس شبیہا بعلی

میرا باپ فدا ہو، یہ نبی سے مشابہ ہے ‏ ‏ علی سے مشابہ نہیں ہے۔

ذوق سخن اسلام کے بعد صرف ایسے اشعار سے دلچسپی رہ گئی تھی جن میں خدا کی عظمت وجلالت کا ذکر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لبید نے مصرعہ پڑھا الا کل شئی ماخلا اللہ باطل یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں، تو فرمایا، "تم نے سچ کہا" لیکن جب اس نے دوسرا مصرع پڑھا، وکل نعیم لا محالۃ زائل، یعنی ہر نعمت یقیناً زائل ہو جائے گی، تو بولے "غلط ہے، خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی۔ [2]

حالت نزع میں حضرت عائشہ سرہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

من لایزال دمعہ مقتعا ‏ ‏ فانہ فی مرۃ مدفوق

فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ۔ (ق-۱)

موت کی بے ہوشی کا ٹھیک وقت آگیا اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔

انھوں نے اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا،

وابیض یستقی الغمام بوجہہ ‏ ‏ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

گورا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے ‏ ‏ یتیموں کا ماویٰ اور بیوؤں کا ملجا

بولے "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔ [3]

تقریر وخطابت تقریر وخطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں وہ اوپر گزر چکی ہیں، اس سے برجستگی اور زور کلام کا اندازہ ہوگا، ان معرکۃ الآرا تقریروں کے علاوہ انکی عام تقریریں بھی نہایت پُراثر ہوتی تھیں ہم یہاں ایک تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں۔

این الوضاۃ الحسنۃ وجوھھم ‏ ‏ آج وہ حسین اور روشن اور دفور شباب

---

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۸ [2] تاریخ الخلفاء ص ۷۰ [3] تاریخ الخلفاء ص ۸۱، ۸۲

اما تعجبون بشبابهم این الملوک	سے حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں ہیں؟
الذین بنوا المدائن وحصنوها	آج بڑے بڑے شہروں کے بسانے والے اور
این الذین کانوا یعطون	ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین کدھر گئے؟
الغلبة فی مواطن الحرب	آج بڑے بڑے غالب آنے والے مرد میدان
قد تضعضع اذ کان بهم حین	سورما کیا ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان
اخنی بهم الدهر و اصبحوا فی	کی قوتیں پست کر دیں اور ان کے بازو
طبقات القبور السوحا	توڑ دیئے اور قبر کی تاریکی میں ہمیشہ کے
الوحا ثم النجا النجا!![1]	لیے سو گئے!۔

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: "میں جس جگہ کھڑا ہوں، گزشتہ سال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتھے" یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے، اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلوگرفتہ ہو گئے۔[2]

نسب دانی علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، اس زمانہ کا بڑا مایہ ناز علم تھا، حضرت ابوبکرؓ صدیق اس فن میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے، حضرت جبیرؓ بن مطعم جو طبقہ صحابہ میں سب سے بڑے نساب گزرے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا ہے، جو نسب دانی کی حیثیت سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔[3]

حضرت ابوبکرؓ کی نسب دانی کی اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا۔ آغاز نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تھے تو عموماً یہ بھی ہمرکاب ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث آپؐ کا لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔

حضرت حسان بن ثابت قریش کی ہجو کیا کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بلا کر کہا۔ تم قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں بھی قریشی ہوں اور ابوسفیان میرا ابن عم ہے۔" انھوں نے کہا "خدا کی قسم میں حضور کو ان سے علیحدہ کر لیتا ہوں جس طرح جو خمیر سے الگ ہو جاتا ہے۔" ارشاد ہوا کہ ابوبکرؓ کے پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۰۱ [2] مسند ج ۱ ص ۲ و ۳ [3] تاریخ الخلفاء ص ۴۰

زیادہ ماہر ہیں۔ غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ [۱]

تعبیر رویا خواب کی تعبیر میں بھی خداداد ملکہ تھا۔ یہاں تک کہ صحابۂ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کو سب سے بڑا معتبر سمجھتے تھے، اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھتے تھے ایک دفعہ حضرت خالدؓ بن سعید نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں جھونک رہے ہیں۔ اسی اثنا میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور ان کی کمر پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خواب کو سنا تو فرمایا: "خالد تمہیں اس کے ذریعے سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے۔ تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی۔ [۲]

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرہ میں گرتے دیکھے۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا، تو اس وقت خاموش رہے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ان کے حجرے میں مدفون ہوئے تو فرمایا: "عائشہؓ! یہ تمہارے حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے۔" [۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنا خواب یا رویا بیان کر کے انھیں تعبیر کا حکم دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے دیکھا کہ چند سیاہ بھیڑوں میں بہت سی سفید رنگ کی بھیڑیں شامل ہو گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی، تو انھوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! سیاہ بھیڑ اہل عرب ہیں جو پہلے آپؐ کے متبع ہوں گے، پھر نہایت کثرت کے ساتھ عجمی جو سفید بھیڑوں کے رنگ میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ اسلام قبول کر کے ان میں شامل ہو جائیں گے۔" ارشاد ہوا صحیح ہے، فرشتۂ آسمانی نے بھی یہی تعبیر کی تھی۔ [۴]

علم تفسیر حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ سفر، حضر، خلوت و جلوت، جنگ و صلح غرض ہر موقع پر مہبط وحی و الہام صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے مستفیض ہوئے اور تمام امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مشیر تھے۔ اس لیے اسلامی علوم و فنون میں بھی قدرۃً ان کا پایہ سب سے بلند تھا۔ کلام اللہ اسلام کا اصل اصول ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس سے غیر معمولی شغف تھا۔ عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیاتِ قرآنی کی تفسیر پوچھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] استیعاب ج ۱ ص ۱۲۸ [۲] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۴۸۔ [۳] مؤطا امام مالک ص ۱۸۹ [۴] تاریخ الخلفاء ص ۱۴۷

اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے؟

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (النساء ۱۸۰)

(فلاح عاقبت) نہ تمہاری آرزو پر موقوف ہے، نہ اہل کتاب کی آرزو پر بلکہ جو برا کام کریگا وہ اس کی جزا پائیگا)

کیا درحقیقت ہم بُرے کام کا بدلہ پاتے ہیں؟ ارشاد ہوا "ابوبکرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں کوئی رنج وصدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمہیں کوئی مصیبت نہیں ستاتی؟ بولے کیوں نہیں، فرمایا یہ سب برائیوں ہی کا خمیازہ ہے۔ [1]

وہ ہر آیت کی شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے، نیز مختلف موقعوں پر انہوں نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہیں، اس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں فرمایا "صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ	اے لوگوں جو ایمان لائے ہو تم پر (صرف)
أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ	تمہارے نفس کی ذمہ داری ہے، جو گمراہ
ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ -	ہو گیا ہے۔ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا
(مائدہ ۷-۱۴)	جب تک کہ تم خود ہدایت یاب ہو۔

حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر کو دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لیے عام ہو جاتا ہے۔ یعنی اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں [2]

اس آیت قرآنی سے استدلال، استنباط احکام وتفریع مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اسمیں برجستہ اس آیت سے انبیاء کی وفات پر استدلال لائے۔ [3]

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ	یعنی محمد صلعم صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ	بھی بہت سے رسول گذر گئے، کیا اگر وہ انتقال
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۱۴)	کر جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے

اس آیت نے یکایک ایمان واعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا، اور لوگوں کو ایسا معلوم

[1] ابن جریر طبری ج ۵ ص ۱۷۳، ومستدرک حاکم ج ۳ ص ۷۴، [2] ابن جریر ج ۷ ص ۶۰

ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی۔

حضرت ابو بکرؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا طبیب بلائیں؟ چونکہ مسئلہ تقدیر پر بہت شدت کے ساتھ اعتماد رکھتے تھے، بولے: طبیب نے مجھے دیکھ کر کہا ہے انی فعال لما یرید یعنی ارادۂ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ [1]

حدیث حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف سوا دو برس زندہ رہے، اس لیے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں، علاوہ اس کے اس وقت تمام حاشیہ نشینان بساط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات تھے جن کی نگاہوں سے عہد نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی اس بناء پر کثرت روایت کا کوئی موقع بھی نہ تھا، تاہم انھوں نے جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا، خاص طور پر شہرت دی، مثلاً نصاب زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ تمام ملک میں شائع کیا، اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفۂ اوّل ہی کی معلومات نے مسلمانوں کی رہبری کی۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا جب خونناک حد تک پہنچ گیا تو سب سے پہلے ان ہی نے "الائمۃ من قریش" کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفن کا سوال پیدا ہوا، تو صدیق اکبرؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا، اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ انبیاء کی جائے وفات ہی ان کا مدفن ہے۔ [2]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائداد میں میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ حدیث پیش کی۔

لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔ یعنی ہمارے مال میں وراثت جاری نہ ہوگی اور ہمارا تمام متروکہ وقف ہے

بعد کو دوسرے صحابہ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی، غرض وہ دربار نبوت میں اپنے مخصوص تقرب کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، طرز عمل اور ان کے اسباب وعلل سے قدرتاً زیادہ باخبر تھے۔

امامت واجتہاد امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پرتو ہے، تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا،

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اوّل ص ۱۴۱ [2] موطا امام مالک ص ۸۰

اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے، نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا، اور میں ایک معمولی انسان ہوں، اسلیئے اگر تم مجھے راہ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج راہ ہوجاؤں تو سیدھا کردو۔ [۱]

حضرت ابوبکرؓ نے نبوت وخلافت کی اس تفریق کو عملاً قائم رکھا اور کبھی ان اختیارات وحقوق سے کام نہیں لیا جو صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہیں ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ نے ان کے تیور دیکھ کر عرض کیا یا خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی گردن اڑا دیجئے حضرت ابوبکرؓ نے قتل کا نام سنا تو خاموش ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابو برزہؓ سے بلا کر پوچھا؛ اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا واقعی تم اسے مار ڈالتے؟" بولے "ہاں" فرمایا، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ [۲] اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا "مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو، میں نائب خدا نہیں بلکہ نائب رسول صلعم ہوں، اور یہی میرے لیے بس ہے [۳] غرض خلیفہ اوّل کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انھوں نے خلافت ونبوت کی سرحدیں الگ کردیں، ورنہ جس طرح عدم تفریق وامتیاز نے الوہیت ونبوت کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں، اور دنیا کی اکثر قوموں نے انبیاء علیہم السلام کو مظاہر خداوندی تصور کرلیا ہے۔ اسی طرح خلافت ونبوت کی حدود میں بھی امتیاز دشوار ہوجاتا۔

اصول اجتہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباط احکام و تفریع مسائل کی ایک شاہراہ عام قائم کرنا اور مذہبی دفتر کو اصولی حیثیت سے منضبط ومرتب کرنا تھا۔۔ خلیفہ اوّل نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعت غراء کا سنگ اساس ہے۔ چنانچہ نصوص شرعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی ذات گرامی سے ظہور میں آیا، مسند دارمی میں ہے۔ [۴]

کان ابوبکر اذا ورد علیہ	حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں جب کوئی
الخصم نظر فی کتاب اللہ فان	مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن کی طرف
وجد فیہ ما یقضی بینہم	رجوع کرتے، اگر امر متنازعہ فیہ کے متعلق
قضی بہ وان لم یکن فی	اس میں کوئی حکم ہوتا تو اس کے مطابق
الکتاب وعلم من رسول اللہ	فیصلہ کرتے ورنہ سنت رسول اللہ صلی اللہ

[۱] مسند احمد ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰ و تاریخ الخلفاء ص ۶۸ [۲] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۳] استیعاب تذکرۂ ابوبکرؓ [۴] مسند دارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ۔

صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک	علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے اور جب
الا امر سنۃ قضی بہ فان	اس سے بھی مطلب برآری نہ ہوتی
اعیاہ خرج فسأل المسلمین	تو مسلمانوں سے سوال کرتے۔

قیاسی مسائل سے خوف قیاسی مسائل یا نصوص قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے محترز رہتے اور فرماتے کہ میں اگر کتاب اللہ یا نامعلوم مسائل میں خواہ مخواہ رائے زنی کروں، تو کون سی زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون آسمان مجھے سایہ دے گا۔ [1] حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ نامعلوم مسائل میں ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا۔ تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور تھے۔ ایک دفعہ ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس کے متعلق نہ قرآن میں کوئی تصریح تھی۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے مدد ملتی تھی، مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا، لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا: "یہ میری رائے اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے، اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے، میں خدا سے طالب مغفرت ہوں"

ایک قیاسی مسئلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قیاسی مسائل میں سب زیادہ مشہور دادا کی وارثت کا مسئلہ ہے۔ ہم اس کو بالتفصیل درج کرتے ہیں۔ اس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہو گا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت ورثہ میں صرف دادا اور بہن بھائی چھوڑے، یعنی اصول میں باپ اور فروع میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو مستحق وارث کون ہو گا؟ دادا یا بھائی بہن! حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ شامل ہیں۔ دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دے کر بھائی بہن کو محجوب الارث سمجھتے تھے، لیکن صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے، اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے، کیونکہ قرآن شریف میں ہے:۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ	لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہہ
فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ	دو کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تم کو حکم دیتا
لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ	ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مرجائے جس کی
فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ	اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کو ترکہ

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ قسم ا ص ۱۲۶۔

يَرِثُهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ۔ (نساء ۲۴) سے آدھا ملے گا) اور بہن مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو وہ اس کا وارث ہو گا۔

اس آیت میں گو باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے، تاہم اس حد تک سب کو اتفاق ہے کہ کلالہ کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں، اور اس آیت سے استدلال لاتے ہیں۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (نساء ۲) اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے اصول و فروع میں) کوئی نہ ہو اور (دوسری ماں سے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اس آیت میں علاقی بھائی بہنوں کی وارثت کا تذکرہ ہے، اور یہاں بالاتفاق کلالہ کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول و فروع میں کوئی نہ ہو، یعنی اگر میت کا دادا موجود ہو گا تو وہ کلالہ نہ ہو گا اور علاقی بھائی محجوب الارث ہوں گے۔ اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کلالہ کی یہی تشریح زیر بحث مسئلہ میں قائم رہے، اور بلا وجہ اس کے معنی میں تفریق کی جائے [1]۔

---

[1] بخاری کی کتاب الفرائض، باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ میں اس کی تفصیل ہے

اخلاق وعادات

حضرت ابوبکرؓ صدیق فطرۃً اخلاق حمیدہ سے متصف تھے، ایام جاہلیت میں عفت، پارسائی، رحم دلی، راست بازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دیت کی تمام رقم ان ہی کے پاس جمع ہوتی تھی، شراب نوشی، فسق وفجور گو اس زمانہ میں عالمگیر تھا، تاہم ان کا دامنِ صاف کبھی ان دھبوں سے داغ دار نہیں ہوا، فیاضی مفلس وبے نوا کی دستگیری، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، مصیبت زدوں کی اعانت غرض اس قسم کے تمام محاسن ومحامد ان میں پہلے سے موجود تھے، شرف ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔

تقویٰ ورع وتقویٰ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے معدنِ اخلاق کا سب سے درخشاں گوہر ہے۔ ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کسی نامعلوم راستہ سے لے چلا اور بولا: "اس راہ میں ایسے آوارہ منش و بدمعاش رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے۔" یہ سنتا تھا کہ زمین نے پاؤں پکڑ لیے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے میں ایسے شرمناک راستہ سے نہیں جا سکتا[۱]

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر پیش کی۔ جب تناول فرما چکے تو انھوں نے کہا: "آپ جانتے ہیں کہ یہ کس طرح حاصل ہوا؟ فرمایا بیان کرو۔" بولے "میں نے جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی، فال کھولنا تو جانتا نہ تھا، صرف اس کو دھوکہ دیا تھا، لیکن آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلہ میں یہ کھانا دیا۔" یہ سرگزشت سنی تو منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا[۱] فرمایا کرتے تھے کہ جو جسم اکلِ حرام سے پرورش پاتا ہے جہنم اس کا بہترین مسکن ہے۔

حضرت عائشہؓ کے گھر میں عید کے روز انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے تاریخی اشعار گا رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر کر فرش پر استراحت فرما چکے تھے، اسی حالت میں ابوبکرؓ صدیق بھی تشریف لائے، ان کے کمالِ اتقا نے اسے بھی پسند نہ کیا، حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ کر بولے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مزمارِ شیطان؟" لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابوبکرؓ! انھیں گانے

---

[۱] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲

دو، ہر قوم کے لیے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔" [1]

انسان کا کمال اتقا یہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضا و جوارح اعمال شنیعہ و افعال ناپسندیدہ سے مجتنب رہتے ہیں، اور اس کا دل تخیلاتِ باطلہ سے محترز رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی زبان بھی کبھی کلماتِ ناملائم سے آلودہ نہ ہونے پائے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ورع و تقویٰ اسی منتہائے کمال پر تھا کہ درشت و ناملائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے تھے۔ اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت جملہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت ندامت و پشیمانی ہوتی، اور جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی، چین نہ آتا، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ سے کوئی نزاع درپیش تھی۔ اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ زبان سے نکل گیا۔ لیکن خود ہی ندامت دامن گیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسی وقت دامن اٹھائے آستانۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت سے طمانیت دی "ابو بکرؓ! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابو بکرؓ! خدا تمہیں بخش دے گا۔ ابو بکرؓ خدا تمہیں بخش دے گا۔ اسی اثنا میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ کو ان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے ان کو دیکھ کر حضورِ پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ تیور دیکھے تو دوزانو بیٹھ کر التجا کی۔۔ "یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی اس طریقہ سے گو غیظ و غضب کی طغیانی فرد ہو گئی۔ تاہم ارشاد ہوا، "میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلایا، لیکن ابو بکر نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی۔ کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دو گے؟ [2]

حضرت ربیعہ بن جعفر اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میں ایک درخت کے لیے باہم اختلاف ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی جملہ ایسا کہہ دیا جو ان کی ناگواری کا باعث ہوا، لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے لگے، "ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی سخت بات کہہ دو۔" انھوں نے انکار کیا تو دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے حضرت ربیعہؓ بھی ساتھ تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصل روداد سن کر فرمایا: "ربیعہ! تم سخت جواب نہ دو، لیکن یہ کہہ دو غفر اللہ لک یا ابا بکر یعنی ابو بکرؓ! خدا تمہیں معاف کر دے؟ حضرت ابو بکرؓ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر تھا کہ زار و قطار رو رہے تھے، اور آنکھوں سے سیلِ رواں تھا۔ [3]

---

[1] ایضاً کتاب العیدین باب سنۃ العیدین الاسلام ص ۱۳۰۔ [2] بخاری کتاب المناقب باب قول النبیؐ لو کنت متخذاً خلیلاً جلد اول ص ۵۱۶ [3] فتح الباری ج ۷ ص ۱۸

زہد امارت، دنیا طلبی وجاہ پسندی سے قطعی نفرت تھی۔ خلافت کا بار گراں بھی محض امتِ مرحومہ کو تفرق واختلاف سے محفوظ رکھنے کے لیے اٹھا لیا تھا، ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے متمنی نہ تھے، انھوں نے بارہا اپنے خطبوں میں اس حقیقت کی تصریح فرمادی تھی، اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں گے۔ [1]

حضرت رافع طائی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں، مجھے کچھ وصیت فرمائیں، بولے: "خدا تم پر رحمت وبرکت نازل فرمائے، نماز پڑھو، روزے رکھو، زکوۃ دو، حج کرو، اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت وسیادت نہ قبول کرو، دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا، اور فردِ عمل زیادہ طویل ہوگی"

ایک مرتبہ انھوں نے پینے کے لیے پانی مانگا، لوگوں نے پانی اور شہد لا کر پیش کیا لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے، بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔ جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ وزاری کی وجہ پوچھی، بولے، ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز ہے جس کو دور فرما رہے ہیں، میں تو کچھ نہیں دیکھتا۔ ارشاد ہوا کہ "دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی میں نے اسکو دور کر دیا۔" اس وقت یکایک یہ واقعہ مجھے یاد آگیا، اور ڈرا کہ شاید اس کے دامِ تزویر میں پھنس جاؤں [2]

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹا دی، یہاں تک کہ زمانۂ خلافت میں ان پر بیت المال کا چھ ہزار درہم قرض چڑھ گیا۔ لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لیے چھوڑ جانا گوارہ نہ ہوا، وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمرؓ بن خطاب کے پاس بھیج دی جائے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زیادہ نکلیں۔ ایک غلام، ایک لونڈی، اور دو اونٹنیاں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں اسی وقت حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔ خلیفۂ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے، رو کر بولے "ابوبکرؓ! خدا تم پر رحم کرے، تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا۔" [3]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۰ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱۷ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۳۷۔

تواضع نہایت متواضع اور خاکسار تھے، اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا۔ اکثر بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے اور محلہ والوں کی بکریاں دوھ دیتے تھے۔ چنانچہ منصب خلافت کے لیے جب ان کا انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی، اور اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا "اب ہماری بکریاں کون دوھے گا؟" حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو فرمایا، خدا کی قسم میں بکریاں دوہوں گا۔ امید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گزاری سے باز نہ رکھے گی۔ [۱]

حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت ابوعبیدہؓ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا۔ یا خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں؟ بولے "بازار" انھوں نے کہا: اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں۔ چلئے ہم آپ کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے [۲] لیکن بخاری کی روایت ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کام نہ کر سکے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا، اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہو گیا اس بنا پر آل ابوبکرؓ اس مال میں سے کھائیں اور مسلمانوں کے لیے تجارت کریں گے۔ صحابہؓ نے اسے منظور کر لیا۔ [۳]

دارالخلافہ سے کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ ضعیف و کبر سنی کے باوجود دور تک پاپیادہ ساتھ جاتے، اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے "اس میں کیا مضائقہ ہے، اگر میں تھوڑی دور تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں، خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ [۴]

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی، اور فرماتے مجھے لوگوں نے نہایت بڑھا دیا ہے، کوئی مدح و ستائش کرتا تو فرماتے "اے خدا تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے، اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر میرے گناہوں کو بخش دے، اور لوگوں کی بے جا تعریف کا مجھ سے مواخذا نہ کر [۵]، غایت تواضع سے تکبر و غرور کی علامات سے بھی خوفزدہ ہو جاتے، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو تکبر سے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے

---

[۱] ایضاً۔ [۲] ایضاً [۳] بخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعاملین علیہا [۴] طبری ص ۱۸۵۰ و مسند دارمی باب فضل الغبار فی سبیل اللہ [۵] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۷۔

چلتا ہے، قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی۔ "میرا دامن بھی کبھی کبھی لٹک جاتا ہے۔" ارشاد ہوا، تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔ [1]

انفاق فی سبیل اللہ مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر وقیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے۔ روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدت گرسنگی میں خوانِ نعمت ہے، لیکن آسودگی میں الوانِ نعمت بھی بے حقیقت شے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنے جان و مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی ہے۔ ان کو قرآن کریم نے مخصوص عظمت وفضیلت کا مستحق قرار دیا ہے۔

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ	تم میں وہ لوگ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے
مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ	خدا کی راہ میں خرچ کیا اور لڑے وہ دوسرے
أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ	مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ ان
أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا	لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنھوں
(سورہ حدید، رکوع)	نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور لڑے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے، انھوں نے یہ تمام دولت راہ خدا میں صرف کر دی [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اس فیاضی کے برمحل ہونے کا اعتراف فرمایا۔

مَا نفعني مال احد قط	ابوبکر کے مال سے زیادہ کوئی مال
ما نفعني مال ابي بكر [3]	میرے لیے مفید نہ ہوا۔

اسی فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم جب بطور تشکر و امتنان فرماتے

انه ليس من الناس احدا	یعنی جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر
امن علي في نفسه وماله من ابي بكر [4]	سے زیادہ کسی کا احسان نہیں۔

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان و مال سب حضورؐ ہی کے لیے ہے۔"

[1] بخاری کتاب المناقب ابی بکرؓ ج ۱ ص ۵۱۷ [2] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۲۳ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۶ [4] ایضاً

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے داعیِ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک کہا تھا، ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی، جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اکثروں کو آزاد کرایا، جن میں بعض کے نام یہ ہیں۔

بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، نذیرہؓ، جاریۂ بنی موئل، نہدیہؓ، بنت نہدیہؓ وغیرہم

حضرت ابوبکر صدیقؓ صدقات وخیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بارہا مسابقت کی کوشش کی، لیکن وہ کبھی کبھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا حضرت عمرؓ کے پاس اس وقت معمول سے زیادہ سرمایہ موجود تھا انھوں نے خیال کیا کہ آج ابوبکرؓ سے سبقت لے جانے کا موقع ہے چنانچہ وہ اپنا نصف مال لے کر آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل وعیال کے لیے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے "اسی قدر" لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے۔ ان سے جب سوال کیا تو انھوں نے عرض کی "ان کے لیے خدا اور اس کا رسولؐ ہے" اس ایثار قربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں، بولے اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔[1]

صدقات میں اخفاء واظہار دونوں جائز ہیں۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ لیکن اظہار میں ریاو تفاخر کا امکان ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ صدقات میں اخفاء کا لحاظ رکھتے تھے، اور ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ ان کی تمام کائنات خدا کی امانت ودیعت ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ خدا کی اور امانت بھی میرے پاس ہے۔[2]

حضرت ابوبکرؓ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحۂ حیات تک جاری رہا، یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ نے فقراء ومساکین کو فراموش نہ کیا، اور اپنے مال میں ان کے لیے ایک خمس کی وصیت فرمادی۔[3]

خدمت گزاری خلق | خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گزاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے تھے، بیماروں کی تیمارداری فرماتے، اور اپنے ہاتھ سے ضعیف وناتوان اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اطراف مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت تھی

---

[1] ترمذی مناقب ابی بکرؓ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۷ [3] ایضاً ص ۳۲۴

حضرت عمر فاروقؓ روز علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے اس کار ثواب سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔ ایک روز بہ نظر تفتیش کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا خلیفۂ اول، یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے ہیں، بولے۔ انت لعمری یا خلیفۃ رسول اللہ۔ قسم ہے، کیا روز آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں۔ [1]

مذہبی زندگی حضرت ابو بکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے۔ دن کو اکثر روزے رکھتے، خصوصاً موسم گرما روزوں ہی میں بسر ہوتا۔ خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے۔ رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ خوف حشر اور عبرت پذیری سے دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے سرمایۂ عبرت تھا۔ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے، کاش! میں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔ کسی باغ کی طرف گزرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو آہ سرد کھینچ کر فرماتے، پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے ہو۔ درخت کے میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش، ابو بکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔ [2]

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے تمام لوگ جمع ہو جاتے۔ نرم دلی اور رقت قلب کے باعث بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ "اواہ منیب" ان کا نام ہو گیا تھا۔

نیکوکاری و حصول ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے: ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے پوچھا: "آج تم سے روزہ سے کون ہے؟" حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی "میں ہوں" پھر فرمایا: "آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟" "کسی نے مسکین کو کھانا دیا ہے؟" اور کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟" ان سوالوں کے جواب میں جو زبان گویا ہوئی وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ [3]

خانگی زندگی حضرت ابو بکرؓ بیوی بچوں سے محبت رکھتے، خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہؓ کو سب سے

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۲ [2] ایضاً۔ [3] مسلم فضائل ابی بکرؓ۔

زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر ان کو ہبہ کردی تھی، لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی، اس لیے ان کو بلا کر فرمایا جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے، اس میں تم اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو شریک کر لو۔[1] انھوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کر دی۔

مہمان نوازی نہایت مہمان نواز تھے چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ ان کے مہمان تھے انھوں نے اپنے صاحبزادہ عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حسب ہدایت ان کے سامنے ماحضر پیش کیا، لیکن انھوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے، اور یہ معلوم کر کے مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، اپنے صاحبزادہ پر نہایت برہم ہوئے، اور برا بھلا کہہ کر کہا: واللہ، میں آج اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے۔ وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور بولے "آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لیے اصرار کیا تھا" مہمانوں نے اس کی تصدیق کی، اور کہا "خدا کی قسم! جب تک آپ عبدالرحمٰنؓ کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے" غرض اس طرح غصہ فرو ہو گیا، اور دسترخوان بچھایا گیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت نازل ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ اس میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔[2]

لباس وغذا زندگی نہایت سادہ تھی۔ موٹے چھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ دسترخوان بھی پر تکلف نہ تھا۔ خلافت کے بعد یہ سادگی اور ترقی کر گئی تھی، چنانچہ وفات کے وقت انھوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے معمول سے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے، مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد یہ تمام چیزیں عمرؓ بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا۔"[3]

---

[1] بخاری جلد اول کتاب الادب باب مایکرہ من الغضب والجزع عند الضیف و باب قول الضیف لصاحب

[2] آکل حتی تاکل [3] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۱۳۹

حضرت ابوبکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کر دی تھی، اس لیے عسرت و ناداری کے باعث بارہا دو دو، تین تین وقت فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا، فرمایا میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں حضرت ابوالہیثم انصاری کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی۔ ؎۱

ذریعۂ معاش تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، فرماتے ہیں کہ "میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا" عہد اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا، اور مال تجارت لے کر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصری تشریف لے گئے ؎۲

خلافت کا بوجھ جب سر پر آیا تو، تو قدرتاً ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے وقف ہوگیا۔ اس بنا پر صحابۂ کرامؓ نے مشورہ کر کے روزانہ آدھا بکری کا گوشت اور انکے اور انکے اہل وعیال کے کپڑے علاوہ کھانا مقرر کر دیا ؎۳ حضرت ابوبکرؓ نے اسکو منظور کر کے فرمایا: "تو قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ابوبکرؓ کا خاندان حسب ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اور ان کا کام کرے گا" ؎۴

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ انکو دو چادریں ملتی تھیں جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انھیں واپس کر کے دوسری لے لیتے تھے سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا۔ اسی کے مطابق اپنے اور اپنے متعلقین کیلئے خرچ لیتے تھے۔ ؎۵

جاگیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیبر میں الگ جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اس کے علاوہ انھوں نے اطراف مدینہ اور بحرین میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں۔ ؎۶

حلیہ حضرت ابوبکرؓ نہایت نحیف ولاغر اندام تھے۔ چہرہ کم گوشت اور رنگ گندم گوں تھا۔ پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں۔ بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

ازواج واولاد حضرت ابوبکرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں:۔

قتیلہ یا قتلہ:۔ ان سے حضرت عبداللہؓ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں۔

ام رومانؓ:۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ کی ماں تھی۔ **اسماءؓ** ؎۹:۔ ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے

حبیبہ بنت خارجہ:۔ حضرت ابوبکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم انہی کے بطن سے تھیں۔ ؎۱۱

؎۱ موطا امام مالک ص ۳۷۱۔ ؎۲ سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح ؎۳ طبقات جلد ۳ ق ۱ ص ۱۳۰ ؎۴ بخاری کتاب البیوع کسب الرجل وعملہ بیدہ ج ۱ ص ۲۷۸ ؎۵ طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۳۱ ؎۶ طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۳۸ ؎۷ طبقات تذکرۂ ابوبکر ؎۸ ایضاً ؎۹ ایضاً ؎۱۰ ایضاً ؎۱۱ ایضاً۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ

نام ونسب اور خاندان عمر نام۔ ابو حفص کنیت۔ فاروق لقب۔ والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک [۱]۔ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا۔ آپ کے جدِ اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلے آرہے تھے۔ ددھیال کی طرح حضرت عمرؓ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے متعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ختمہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں، اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ [۲]

حضرت عمرؓ ہجرتِ نبویؐ سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں، بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے، جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی۔ خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا۔ اسی زمانہ میں انھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان میں ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔ [۳]

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرب میں لوگوں کا ذریعۂ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لیے انھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا، اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا۔ اس سے آپ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے۔ آپ کی خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اسی کا نتیجہ تھی، اور ان ہی اوصاف کی بنا پر

---

[۱] اصابہ ج ۲ ص ۵۱۸ [۲] عقد الفرید باب فضائل العرب [۳] استیعاب تذکرہ عمر بن خطاب۔

قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے، اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔ [2]

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پر توافگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے لیئے یہ آواز نہایت نامانوس تھی، اس لیے سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے، اس کے دشمن بن جاتے ان کے خاندان کی ایک کنیز بسینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی، اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے۔ بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا، زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے

---

[2] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷۔

اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ

قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیات کے ساتھ ان ہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی: "اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام واما عمر بن الخطاب"[1]۔ یعنی خدایا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔ مگر یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی، ابوجہل کے حصہ میں کیونکر آتی۔ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار بن گیا۔ یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولتِ ایمان سے بھر گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ تاریخ وسیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے۔ ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں، یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا، اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انھوں نے کہا: "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں، اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا، یہ کیسی آواز تھی؛ بولیں کچھ نہیں۔ انھوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہو گئے، اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا، بولیں کہ عمر جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا، تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی

[1] جامع ترمذی مناقب عمرؓ

سنادو، فاطمہ رضؓ نے قرآن کے اجزا سامنے لاکر رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی :-

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح
وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (حدید) — پڑھتے ہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے،

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (حدید) — خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ
یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم رضؓ کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے۔ صحابہؓ کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہ رضؓ نے کہا آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر رضؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا، "کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟" نبوت کی پرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی "ایمان لانے کے لیے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں [1]۔

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دارقطنی، ابویعلی، حاکم اور بیہقی میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے۔ دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورۂ حدید کی آیۃ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ دوسری میں سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے :-

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا — میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں
فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ — تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لیے نماز
لِذِکْرِیْ (سورہ طٰہٰ) — کھڑی کرو۔

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پکار اٹھے، اور دراقدس پر حاضری کی درخواست کی، لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں۔ چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد ا ص ۲۰۹ وص ۲۱۰ بحوالہ اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن اثیر۔

راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں۔[۱] ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدلال میں لکھا ہے کہ روایت واہی ومنقطع ہے۔[۲] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے، وہ نہایت ہی منکر ہے[۳] کنز العمال میں بھی اس کی تضعیف کی گئی ہے۔[۴]

ان دونوں روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحینی، اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں، اور یہ سب کے سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

ان روایتوں کے علاوہ مسند ابن حنبل میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ جو گو ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے۔ تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑنے نکلا۔ آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی جس میں آپؐ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم واسلوب سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر ہے۔ ابھی یہ خیال آیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا	یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور
هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا	یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم
تُؤْمِنُوْنَ (الحاقہ-۲)	ایمان رکھتے ہو۔

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے۔ میرے دل کی بات جان گیا ہے، اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا	یہ کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم
تَذَكَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ	نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے
الْعٰلَمِيْنَ (الحاقہ ۲-۱)	پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔

آپؐ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔[۵]

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک بت خانہ میں سوتے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی۔ اے جلیح ایک فصیح البیان کہتا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اس آواز کا

---

[۱] دارقطنی باب الطہارۃ القرآن [۲] مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۹ [۳] میزان الاعتدال تذکرۂ قاسم بن عثمان بصری
[۴] کنز العمال فضائل عمر بن خطاب۔ [۵] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۷

سنتا تھا کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ پھر وہی آواز آئی۔ اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں یہ چرچا ہوا کہ یہ نبی ہیں[۱] اس روایت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا۔

پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس ندائے غیب پر حضرت عمرؓ نے لبیک نہیں کہا، اور اس کا کوئی تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سے وہ نہ پیدا کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا، تاہم چونکہ توحید کا ذکر تھا اس لیے ادھر میلان ہوا ہوگا، لیکن چونکہ ان کو قرآن سننے کا موقع نہیں ملا اس لیے اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی، اس کے بعد جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ الحاقہ جس میں قیامت اور حشر و نشر کا نہایت موثر بیان ہے۔ نماز میں پڑھتے سنی تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ جیسا کہ ان کے اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ دقع الاسلام فی قلبی کل موقع یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا، تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے، اس لیے انھوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا، بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا، اور سورہ طٰہٰ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت موثر دعوت ہے، تو دل پر قابو نہ رہا، اور بے اختیار کلمۂ توحید پکار اٹھے، اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی

اور اگر وہ پہلی روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس ندائے غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا، لیکن چونکہ تین برس دعوت محدود اور مخفی رہی تھی۔ اس لیے ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا، اور مخالف کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبوی میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا۔ پھر جب رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی گئیں، تو ان کی شدت کم ہوتی گئی۔ بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو سورۂ الحاقہ سننے کا موقع ملا، اور وہ لبیک کہتے ہوئے اسلام کے آستانہ پر حاضر ہو گئے۔

زمانۂ اسلام | عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ ۶ نبوی؁

---

[۱] بخاری بنیان الکعبہ باب اسلام عمرؓ۔

مقرر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے، آج کل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحب قلم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابلِ التفات قرار دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت قدیم الاسلام تھے، شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کے بعد ہی ان کا شمار ہو، اس مقصد کے لیے انھوں نے تنہا بخاری کو سند قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تمہید میں وہ لکھتے ہیں کہ

"اسی فطرت سلیمہ کی بنا پر ان کو (عمرؓ کو) اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی، چنانچہ ان کی ہمشیر اور سعیدؓ بن زید نے اسلام قبول کیا، تو گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کرتے تھے۔ چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے۔"

کان عمر بن الخطاب	یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو
یقیم علی الاسلام انا	اسلام پر مضبوط کرتے تھے، حالانکہ
واختہ وما اسلم	خود نہیں اسلام لائے تھے۔ [1]

اس حدیث میں اپنے موافقِ مطلب تحریر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور بھی مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اسکی تردید کی ہے۔[2] اس کے بعد بخاری نے ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔"

پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتفِ غیب کی آواز سننے کا ذکر ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر انھوں نے فوراً حضرت عمرؓ کے آغازِ اسلام ہی میں مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا، اور اسی واقعہ کو ان کے فوری اسلام کا سبب قرار دے دیا۔ اس کے بعد ایک اور شہادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت میں ایک نوجوان نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ:۔

"اے امیر المؤمنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور سبقت کے ذریعہ سے (جسکو آپ جانتے ہیں) جو بشارت دی ہے اس سے آپ خوش ہوں۔[3]"

اس قدر شواہد اور اتنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے دادطلب ہیں کہ:۔

"ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی

---

[1] سیر الصحابہؓ ص ۳۲۹ [2] ایضاً ص ۳۳۰ [3] اس سے مراد وہ روایات ہیں جو حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہیں۔ دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر بے پایاں ہے جو ان میں گزشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کراتا ہے، ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے۔"

افسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی متعدد مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا ہے۔ ہم ناظرین کو مصنف کے استدلالی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی میں سعیدؓ بن زید کی یہ روایت پیش کی ہے۔

کان عمر بن الخطاب یقیم علی الاسلام انا واختہ وما اسلم | یعنی حضرت عمر مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے، حالانکہ خود مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے، اور قسطلانی نے اسکی تردید کی ہے، یہاں پر مصنف نے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لیئے بڑی جسارت سے کام لیا ہے، اول تو حدیث کے لفظ میں صریح تحریف کی ہے، اور تحریف بھی ادب عربی کے خلاف کی ہے، پھر حدیث میں یقیم کے بجائے "موثقی" ہے[2] جس کے معنی باندھنے کے ہیں نہ کہ مضبوط کرنے اور قائم رکھنے کے۔ یہ عربی کا محاورہ ہے اور قسطلانی نے باندھنے کے معنی لیے ہیں اور مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی سے مصنف کے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ ہذا بہتان عظیم۔ چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہیں۔ [3] یجعل ادتد کالاسیر تضییقا واھانتہ، یعنی موثقی سے مراد رسی یا تسمہ سے قیدی کی طرح تنگ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے باندھنا ہے، البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے، جس کو بعض خوش فہموں نے اختیار کرنا چاہا تھا۔

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب میں پیش کی ہے۔ یعنی ہاتف غیب کی آواز۔ اس روایت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت عمر اس کو سن کر متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے۔ اس قصہ کے آخر میں یہ صاف مذکور ہے کہ اس کے بعد

[1] بخاری باب اسلام عمرؓ [2] بخاری ج ا باب اسلام سعیدؓ بن زید و اسلام عمرؓ [3] قسطلانی جلد ۶ ص ۲۱۳

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا شہرہ ہوا، اس لیے یہ بالکل ہی آغاز اسلام کا واقعہ ہوگا، اگر اسی وقت حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ثابت ہوجائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت سے پہلے ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے جو قطعی غلط ہے، جیسا کہ آگے ثابت ہوگا۔

آیئے اب ہم صحیح بخاری ہی کے ارشادات پر چل کر حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ تلاش کریں۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہ الفاظ بخاری میں ہیں۔

"حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ مشرکین بکثرت انکے مکان پر جمع ہوگئے اور کہنے لگے صبا عمر، عمر بے دین ہوگئے۔ حضرت عمرؓ خوفزدہ گھر کے اندر تھے اور میں مکان کی چھت پر تھا۔"[1]

اس روایت سے ظاہر کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے تھے، بلکہ سن تمیز کے اس درجہ پہ پہنچ چکے تھے کہ ان کو لڑکپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ۵-۶ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ آگے چلیئے ۳ھ یعنی بعثت کے سولہویں سال غزوۂ احد ہوا۔ بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔ اس لیے خورد سال بچوں کے ساتھ چھانٹ دیئے گئے تھے، اور مجاہدین میں نہیں لیے گئے۔[2] اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ماننی پڑے گی، اور کم از کم پانچ سال کی عمر واقعات محفوظ رہنے کے لیے ماننی ہوگی، تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہوجاتے ہیں۔ لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانۂ اسلام ۷ سنہ بعثت ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہاتف غیب کی آواز سننے کے سات بعد اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوگیا اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم وبیش آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن وہ نہایت بے بسی ومجبوری کے عالم میں تھے۔ علانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا، اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے

---

[1] صحیح بخاری اسلام عمرؓ [2] بخاری باب غزوہ الخندق۔

اسلام لانے سے دفعتہً حالت بدل گئی، انھوں نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کرکے بآوازِ بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے لیکن عاص ابن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے۔ ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عمرؓ قبولِ اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا تماشا دیکھتے تھے۔ اس لیے شوقِ مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے متمتع ہونے کے بعد عاص بن وائل کی حمایت کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں، اس لیے انھوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات و استقلال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی۔ [1]

یہ پہلا موقع تھا کہ حق، باطل کے مقابلہ میں سربلند ہوا۔ اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربارِ نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت ہوا۔

ہجرت مکہ میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اسی قدر مشرکین قریش کے بغض و عناد میں بھی ترقی ہوتی گئی اگر پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوشِ مذہبی کی بناء پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے، تو اب انھیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ اگر بلاکشانِ اسلام میں غیر معمولی جوش، ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو ایمان پر ثابت قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

حضرت عمرؓ ۶ نبوی میں اسلام لائے تھے اور ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶-۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے۔ جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی، تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے اور بارگاہِ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرلے، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی، اور وہ مدینہ روانہ ہوگئے۔ [2]

حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ کر قبا میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے۔ قبا کا دوسرا نام عوالی

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۹۳ [2] زرقانی ج ۱ ص ۳۷۱

ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ سلہ ء میں خود آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے اُفق سے ضوافگن ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی۔ اس موقع پر انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو تمام مال واسباب میں نصف کا شریک بنا لیا، اس رشتہ کے قائم کرنے میں درجہ ومراتب کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلامی حضرت عتبان بنؓ مالک قرار پائے تھے۔ جو قبیلۂ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس ومجبور نہ تھا۔ بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا، اور اس کا وقت آگیا تھا کہ فرائض وارکان محدود اور معین کیے جائیں، نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع تر ہوتی جاتی تھی، اور وہ دُور دُور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے۔ اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ متعین کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا۔ بعض صحابہ کی رائے ہوئی، کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے، بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق وناقوس سے کام لیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی، اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اسلام کا ایک شعارِ اعظم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا۔ [1] جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید ورسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان۔

غزوات و دیگر حالات

مدینہ میں سب سے پہلا معرکۂ بدر کا پیش آیا۔ حضرت عمرؓ اس معرکہ میں رائے تدبیر، جان بازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ عاص بن ہشام ابن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا ماموں ہوتا تھا، خود ان کے خنجر خارا شگاف سے واصلِ جہنم ہوا[۱] یہ بات حضرت عمرؓ کے خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ غنیم کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے، اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے۔ چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے، اس لیے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ سے رائے لی۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا، اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے، اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ علی عقیل کی گردن ماریں، اور فلاں جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت نے حضرت ابوبکرؓ کی پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بارگاہِ الٰہی میں یہ چیز پسند نہ آئی اس پر عتاب ہوا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ	کسی پیغمبر کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے
أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ	پاس قیدی ہوں جب تک وہ خونریزی نہ کرے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے گریہ و زاری کی۔[۲]

واقعہ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی، اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔ اسی طرح غزوۂ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے۔ سب میں حضرت عمرؓ سرگرم پیکار رہے۔ یہاں تک شوال ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا۔ اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی، جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ ادھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد سات

---

[۱] ابن جریر ص ۵۰۹ واستیعاب ترجمہ عمر بن الخطاب [۲] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم

تھی، جس میں سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے۔ ۷ شوالِ ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں نے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیں۔ کفار شکست کھا کر بھاگے۔ اور غازیانِ دین مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس خیال سے وہ بھی مصروف ہو گئے۔ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفعتہً عقب سے بڑے زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکہ غافل تھے۔ اسلئے اس ناگہانی ریلے کو روک نہ سکے یہاں تک کہ کفار نے خود ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یورش کر دی، اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا، اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

جنگ کا زور شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ [۱]

ابوسفیان سالار قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا نام لے کر کہا، یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا، پکار کر کہا "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں" ابوسفیان نے کہا اعل ھبل یعنی اے ہبل بلند ہو [۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، جواب دو۔ اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا بلند و برتر ہے۔ [۳]

غزوۂ احد کے بعد ۳ھ میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکۃ فی غزوہ بدر اباحۃ الغنائم [۲] طبری ص ۱۴۱۱
[۳] ہبل ایک بت کا نام تھا [۴] بخاری المغازی، غزوۂ احد۔

مدینہ سے جلا وطن کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمرؓ شریک رہے۔ ۵ھ میں غزوہ خندق پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی۔ دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا۔ وہ لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو متعین فرما دیا تھا، کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ پر حضرت عمرؓ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافروں کے مقابلہ میں ان کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی ۔[۱] کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ثبات واستقلال کے آگے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور یہ میدان بھی غازیوں کے ہاتھ رہا۔

۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو، حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوا لیے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑنا مقصود نہیں تھا اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے ان کو روک رکھا، جب کئی دن گزر گئے تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر صحابہؓ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی۔ چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[۲]

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے ہیں۔ اسی وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لیے دست اقدس پر بیعت کی ۔[۳]

قریش مصر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر بڑے

---

[۱] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مواقیت الصلوٰۃ [۲] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۶ [۳] بخاری کتاب المغازی غزوہ حدیبیہ

ردوقدح کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضامند ہو گئے۔ اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا، لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آ جائے ان کو واپس نہ کرنے کا اختیار ہو گا۔ حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی اور خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے بھی یہی گفتگو کی، انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی [1]۔

غرض معاہدہ لکھا گیا، حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورہ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر سنایا اور فرمایا کہ آج ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے [2]۔

۷ھ میں واقعہ خیبر پیش آیا۔ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ سپہ سالار ہوئے، ان کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے لیکن یہ فخر حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ چنانچہ آخر میں جب آپ کو علم مرحمت ہوا تو آپ کے ہاتھوں خیبر کا رئیس مرحب مارا گیا۔ اور خیبر مفتوح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین مجاہدین کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا ثمغ نامی حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا۔ انھوں نے اس کو راہِ خدا میں وقف کر دیا [3]۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا، خیبر کے بعد قریش نے اس کو توڑ دیا۔ ابوسفیان نے پیش بندی کے خیال سے مدینہ آ کر عذر خواہی کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس لیے وہ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرا دیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔ غرض نقضِ عہد کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان ۸ھ میں

---

[1] بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ [2] ایضاً کتاب التفسیر سورۂ فتح۔ [3] کتاب الوصایا۔

مکہ کا قصد فرمایا، قریش میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لیے انھوں نے کوئی مزاحمت نہ کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت جاہ وجلال کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور باب کعبہ پر کھڑے ہوکر نہایت فصیح وبلیغ تقریر کی، جو تاریخوں میں بعینہٖ مذکور ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لائے، لوگ جوق درجوق آتے تھے، اور بیعت کرتے جاتے تھے حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ عورتوں کے ہاتھ مس نہیں کرتے تھے، اس لیے جب عورتوں کی باری آئی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو۔ چنانچہ تمام عورتوں نے ان ہی کے ہاتھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی، جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے۔ پھر ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور جنگی تیاریوں کے لیے زر ومال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال واملاک کا آدھا حصہ لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا[1] اسلحہ اور سامان رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لیے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آگئے۔

۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے حضرت عمرؓ بھی ہمرکاب تھے، اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتداء ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے، اور دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول، دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپ کا وصال ہوگیا۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رفتہ ہوکر مسجد نبوی میں اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت نے وفات پائی، اس کو قتل کر ڈالوں گا، شاید اس میں یہ بھی مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع نہ ملے۔ پھر بھی فتنۂ سقیفہ بنی ساعدہ

[1] ترمذی فضائل ابی بکرؓ، لیکن ترمذی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر یہ رقم پیش کی تھی۔ البتہ سیر وتاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

کھڑا ہی ہوگیا۔ اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق وقت پر پہنچ کر اپنے ناخنِ عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ شمع اسلام کو ہمیشہ کے لیے گل کردیتا، لیکن انصار کے ساتھ بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اور اس کے بعد اور لوگوں نے بیعت کی۔ ؎۱

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت صرف سوا دو برس رہی۔ ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے، سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے۔ قرآن شریف کی تدوین کا کام خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا ؎۲ غرض حضرت ابوبکرؓ کو اپنے عہدِ خلافت میں تجربہ ہوچکا تھا کہ منصبِ خلافت کے لیے عمرؓ فاروق سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ انھوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورے کے بعد ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا، اور آئندہ کے لیے مفید اور موثر نصیحتیں کیں، جو حضرت عمرؓ کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں

؎۱ بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ ؎۲ بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن باب جمع القرآن۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکرؓ نے تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دو شنبہ کے روز وفات پائی، اور حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیانِ نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ یعنی ۱۲ھ میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ اسی طرح ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا، اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں، ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفۂ وقت نے انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی، تو ان کا سب سے اہم فرض ان ہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحاتِ عراق سیرتِ صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ عراق پر حملے کے کیا وجوہ اسباب تھے، اور کس طرح اس کی ابتدا ہوئی۔ یہاں سلسلہ کے لیے مختصراً اس قدر جان لینا چاہیے کہ خالد بن ولیدؓ بانقیا، کسکر اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کر چکے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے مثنیٰ ابن حارثہؓ کو اپنا جانشین کر کے مہم شام کی اعانت کے لیے ان کو شام جانا پڑا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا جانا تھا کہ عراق کی فتوحات دفعتہً رک گئیں۔

حضرت عمرؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیعت خلافت کے لیے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار آدمی آئے تھے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں آپ نے جہاد کا وعظ کہا، لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق فارس کا پایۂ تخت ہے اور اس کا فتح ہونا نہایت دشوار ہے، اس لیے ہر طرف سے صدائے برنخاست کا معاملہ رہا حضرت عمرؓ نے کئی دن وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے روز ایسی پرجوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے۔ مثنیٰ الشیبانی نے کہا کہ "مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے، وہ مرد میدان نہیں ہیں، ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لیے ہیں اور عجمی اب ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔ اسی طرح قبیلۂ ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے جوش میں آ کر کہا " انا لھذا " یعنی اس کے لیے میں ہوں" ابو عبید کی بیعت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے آوازیں اٹھیں کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اس کے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت

کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا،

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا، اس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے جو صغیر السن یزدگرد شاہ ایران کی متولیہ تھی، فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا، دربار میں طلب کر کے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا، نیز مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی۔ اس طرح دولت کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز و پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابو عبیدؓ کے پہنچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کرا دیا، اور جو مقامات مسلمانوں نے قبضہ میں آ چکے، وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اعانت کے لیے تیار کی، اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ دونوں دو راستوں سے روانہ ہوئے جابان کی فوج نمارق پہنچ کر ابو عبیدہ کی فوج سے برسر پیکار ہوئی، اور بری طرح شکست کھا کر بھاگی۔ ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے۔ جابان گرفتار ہوا، مگر اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا، وہ پہنچانتا نہ تھا۔ جابان نے اس سے کہا کہ میں بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں، معاوضے میں دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ اس نے منظور کر لیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا، لوگوں نے غل مچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے لیکن ابو عبیدؓ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبیدؓ نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ میں نرسی کی فوج گراں کو بھی شکست دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قرب و جوار کے تمام رؤسا خود بخود مطیع ہو گئے۔ نرسی و جابان کی ہزیمت سن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبیدؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ ابو عبیدؓ نے فوجی افسروں کے شدید اختلاف کے باوجود فرات سے پار اتر کر غنیم سے نبرد آزمائی کی۔ چونکہ اس پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا، نیز عربی دلاوروں کے لیے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا اس لیے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی، اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برافروختہ کیا۔ انھوں نے اپنے پرجوش خطبوں سے تمام قبائل عرب میں آگ لگا دی۔ ان کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نمرو تغلب کے

سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے، اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی۔ اور کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گراں کے ساتھ جریر بجلی کو میدان رزم کی طرف روانہ کیا۔ یہاں مثنیٰ نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔

پوران دخت نے ان تیاریوں کا حال سنا تو اپنی فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگ آزما بہادر منتخب کر کے مہران بن مہرویہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے۔ حیرہ کے قریب دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ ایک شدید جنگ کے بعد عجمیوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ مہران بن مہرویہ تغلب کے ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مثنیٰ نے پل کا راستہ روک دیا، اور اتنے آدمیوں کو تہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

حیرہ کے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے، وہاں اسی زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر بھاگے، اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اسی طرح قرب و جوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیشقدمی شروع ہو گئی، سوراء، کسکر، صراۃ اور فلالیج وغیرہ پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ پایۂ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا حکومت کا انتظام بالکل بدل دیا گیا، پوران دخت معزول کی گئی۔ یزدگرد جو سولہ سالہ نوجوان اور خاندانِ کیانی کا تنہا وارث تھا، تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا۔ اعیان و اکابر ملک نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں۔ اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلائی جائے۔ ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی زندگی پیدا ہو گئی، اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے، اور ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے ایک تاریخ معین تک علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے طلب کیا۔ نیز دربار خلافت کو اہلِ فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاری کا حال سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص کو، جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں تقریباً ستر وہ صحابیؓ

تھے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بدر میں جوہر شجاعت دکھاچکے ہیں تین سو دو تھے جنھیں بیعت الرضوان کا شرف حاصل ہوچکا تھا، نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے، اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے، لیکن ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا، مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذی قار میں اس عظیم الشان کمک کا انتظار کر رہے تھے کہ اس اثناء میں انکا انتقال ہوگیا اسلئے انکے بھائی معنیٰ شراف آکر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے ملے، اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے ان سے بیان کیے

حضرت عمرؓ نے ایامِ جاہلیت میں نواح عراق کی سیاحت کی تھی، اور وہ اس سرزمین کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ اس لیے انھوں نے خاص طور پہ ہدایت کردی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آپ کے پاس بھیجے جائیں، چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے ان کو اطلاع دی، اس کے جواب میں دربارِ خلافت سے ایک مفصل فرمان آیا، جس میں فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق ہدایتیں درج تھی۔ اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھ کر قادسیہ کو میدانِ کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے

حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھ کر قادسیہ میں مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دیں، لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مخمور تھے، وہ خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے۔ چنانچہ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سے سکوت رہا، رستم ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا، اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چرا رہا تھا، اور مسلمان آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے، اور رسد کے مویشی وغیرہ حاصل کر لاتے تھے۔ جب اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا، ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

رستم قادسیہ میں پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا، اور مدتوں سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا، لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ "اگر اسلام

یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ رستم جب مصالحت کی تدبیروں سے مایوس ہوگیا تو سخت برہم ہوا اور قسم کھا کر کہا: "آفتاب کی قسم اب میں تمام عربوں کو ویران کر دوں گا۔"

قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ

اور غضب ناک ہو کر فوج کو کمربندی کا حکم دے دیا، اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ صبح کے وقت قادسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا جس کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی، دن بھر ہنگامۂ محشر بپا رہا، شام کو جب تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے خیموں میں واپس آئے۔ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا، اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

قادسیہ کی دوسری جنگ معرکۂ اغوات کے نام سے مشہور ہے۔ اس معرکہ میں مہم شام کی چھ ہزار فوج عین جنگ کے وقت پہنچی، اور حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے عین جنگ کے موقع پر پہنچے اور پکار کر کہا: "امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کے لیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں۔" اس نے مسلمانوں کے جوش وخروش کو اور بھی بھڑکا دیا۔ تمام دن جنگ ہوتی رہی شام تک مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول ومجروح ہوئے لیکن فتح وشکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، کیونکہ ایرانیوں کے مقابلہ میں مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے نقصان پہنچتا تھا۔ اگرچہ قعقاع نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا، تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے، صف کی صف پس جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ضخم وسلم وغیرہ پارسی نومسلموں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ طلب کیا، انھوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیئے جائیں۔ سعدؓ نے قعقاع، حمال اور ربیع کو اس خدمت پر مامور کیا۔ ان لوگوں نے ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا، اور برچھے مار مار کر آنکھیں بیکار کر دیں۔ قعقاع نے آگے بڑھ کر بیل سفید کی سونڈ پر ایسی تلوار ماری کہ مستک الگ ہوگئی، جھرجھری لے کر بھاگا، اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے، اس طرح دم کے دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا، دن بھر ہنگامہ کا رزار گرم رہا، رات کے وقت بھی

اس کا سلسلہ جاری رہا، اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل اٹھتی تھی۔ اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں، رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا لیکن آخر زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کیا، اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا، اور تلوار سے کام تمام کر دیا۔ رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گیا، ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

قادسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا۔ درفش کاویانی ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا، اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا۔ مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوثی، بہرہ شیر اور خود نوشیروانی دارالحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولا۔ کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا۔ اس دوران میں رستم کے فرزند نے حسن تدبیر سے ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ سعدؓ نے ہاشم بن عتبہ کو جلولاء کی تسخیر پر مامور کیا۔ جلولا چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لیے مہینوں کے محاصرہ کے بعد مفتوح ہوا۔ یہاں سے قعقاعؓ کی سپردگی میں ایک جمعیت حلوان کی طرف بڑھی اور خسرو شنوم کو شکست دے کر شہر پر قابض ہو گیا۔

قعقاعؓ نے حلوان میں قیام کیا، اور عام منادی کرا دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں گے وہ مامون و محفوظ رہیں گے۔ اس منادی پر بہت سے امراء اور روساء برضا و رغبت اسلام میں داخل ہو گئے یہ عراق کی آخری فتح تھی، کیونکہ یہاں اس کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے"، لیکن ایرانیوں کو عراق نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولا کے بعد مرو کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کے ٹھاٹھ لگائے اور تمام ملک میں فرامین و نقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی مقاومت پر آمادہ کیا۔

یزدگرد کے فرامین نے تمام ممالک میں آگ لگا دی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا ٹڈی دل قم میں آکر مجتمع ہوا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو سر لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا، اس

معرکہ میں درفش کاویانی جس کو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے، فال نیک کے خیال سے نکالا گیا اور جب مردان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

ایرانیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا۔ نہاوند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی، یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمانؓ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ جاری رکھی، اور رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا، اس لڑائی میں تقریباً ۳۰ ہزار عجمی کھیت رہے۔ نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکرکشی واقعۂ نہاوند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین پر موجود ہے، بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرو نہ ہوگا۔ اس بنا پر عام لشکرکشی کا ارادہ کیا، اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کرکے مشہور افسروں کو دیئے، اور انھیں خاص خاص ممالک کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ ۲۱ھ میں یہ سب غازیان اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے، اور نہایت جوش و خروش سے حملہ کرکے تمام ممالک کو اسلام کا زیرنگیں کردیا، ادھر ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت نیست و نابود ہو گئی۔

خاندان کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا، خاقان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی، اور ایک فوج گراں کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لے کر خراسان کی طرف بڑھے اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابلہ میں صف آرائی کی، لیکن صفائی کے دو ہی ہاتھ نے اس کے عزم استقلال کو متزلزل کر دیا، اور اس کے ذہن نشین ہو گیا کہ ایسے بہادروں کو چھیڑنا مصلحت نہیں چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا، اور اپنے حدود میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو مایوس ہو کر خزانہ اور جواہرات ساتھ لیے ترکستان کا عزم کیا، درباریوں نے دیکھا کہ ملک و دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے تو روکا۔ اس نے نہ مانا

تو مقابلہ کر کے تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا، یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا، اور خدا کی نافرمانی کے باعث مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ	خدایا تو ہی ملکوں کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ملک دیتا
وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ	ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے
وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ	جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔

احنف نے بارگاہ خلافت میں نامۂ فتح روانہ کیا، حضرت عمرؓ فاروق نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے یہ مژدہ سنایا، اور ایک مؤثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی، اور اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی صراط مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے سکتا ہے۔

فتوحاتِ شام

ممالک شام میں سے اجنادین بصریٰ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہد صدیقی میں فتح ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا۔ خالد سیف اللہؓ نے رجب ۱۴ھ میں اپنے حسنِ تدبیر سے اس کو مسخر کر لیا۔

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے، اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقام بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبلؓ سفیر ہو کر گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، آخر کار ذوقعدہ ۱۴ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خونریز معرکے پیش آئے، خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا، بالآخر یہ میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا[۱] غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے، اور مسلمانوں اردن کے تمام شہر اور قابض ہو گئے، رعایا ذمی قرار پائی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ "مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔"

دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک، حماۃ، شیراز اور معرۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے، اور اس کا محاصرہ کر لیا، حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی، سپہ سالار اعظم ابوعبیدہؓ نے عبادہ ابن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا، اور ایک خاص تدبیر سے اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا، لیکن بارگاہِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اس لیے فوجیں واپس آگئیں[۲]

میدانِ یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ

دمشق، حمص اور لاذقیہ کی پیہم ہزیمتوں نے قیصر کو سخت برہم کر دیا، اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اپنی شہنشاہی کا پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہو گیا، اور انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے اس طوفان کو روکنے کے لیے افسروں کے مشورہ سے تمام ممالک

---

[۱] طبری ۲۱۵۸ [۲] فتوح الشام ازدی ص ۱۲۱

مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت مجتمع کی، اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا۔ [1] کیونکہ اب مسلمان ان کی حفاظت سے مجبور تھے۔ اس واقعہ کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے، اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خدا تم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمرؓ کو مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ آنے کی خبر ملی تو پہلے وہ بہت رنجیدہ ہوئے، لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہو گئی، اور فرمایا خدا کی اسی میں مصلحت ہو گی۔ سعیدؓ بن عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچانا۔ ا لا عمرؓ یقرئك السلام

دیقول لکم یا اهل الاسلام اصدقوا اللقاء وشد وا علیهم مثل اللیوث

ولیکونوا هون علیکم من الذر فانا قد علمنا انکم علیهم منصورون

اردن کے حدود میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت باموقع تھا اس لیے اس اہم معرکے کے لیے اسی میدان کو منتخب کیا گیا۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس بتیس ہزار تھی، لیکن سب کے سب یگانۂ روزگار تھے، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال مبارک دیکھا تھا۔ سو وہ تھے، جو غزوۂ بدر میں حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہ چکے تھے۔ عام مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا۔ پانچویں رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا۔ رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں، کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے، ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے، اور حضرت عیسیٰؑ کا نام لے کر جوش دلاتے تھے، اس جوش و اہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا۔ فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے، اور مسلمان

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۲۱ [2] ترجمہ، اے برادران اسلام! عمرؓ نے بعد سلام کے تم کو یہ پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو، اور دشمنوں پر شیروں کی طرح اس طرح حملہ آور ہو کہ وہ تم کو چیونٹیوں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں، ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے، اور آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے۔

کل تین ہزار کام آئے۔ قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت وافسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا۔[1] حضرت عمرؓ نے مژدۂ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطرافِ ملک میں پھیل گئیں، اور قنسرین یا انطاکیہ، جومہ، سرمین، توزی قورس، تل عزار، دلوک، رعبان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہوگئے۔

بیت المقدس فلسطین کی مہم پر حضرت عمروؓ بن العاص مامور ہوئے تھے۔ انھوں نے نابلس، لد عمواس، بیت جبرین وغیرہ پر قبضہ کرکے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اس اثناء میں حضرت ابوعبیدہؓ بھی اس مہم سے فارغ ہوکر ان سے مل گئے۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی کہ امیر المومنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر دی گئی۔ انھوں نے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کرکے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔[2]

بیت المقدس کا سفر حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا۔ مقام جابیہ میں افسروں نے استقبال کیا، اور دیر تک قیام کرکے بیت المقدس کا معاہدۂ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہوکر بیت المقدس میں داخل ہوئے، پہلے مسجد میں تشریف لے گئے، پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی۔ نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی، لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں، باہر نکل کر نماز پڑھی۔[3]

بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا، سرحدوں کا معائنہ کرکے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا، اور بخیر وخوبی مدینہ واپس تشریف لائے۔

متفرق معرکے اور فتوحات بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے۔ اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر قبضہ کی کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ فلسطین کے اضلاع قیساریہ نہایت آباد اور پررونق شہر تھا، ۱۳ھ میں عمروؓ بن العاص نے اس پر چڑھائی کی، ۱۸ھ تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہ ہوسکا۔ آخر ۱۹ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کرلیا، اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ جزیرہ پر ۱۶ھ میں عبداللہ بن المعتم نے فوج کشی کی۔ تکریت کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور چوبیس دفعہ حملے ہوئے۔ آخر میں حسن تدبیر سے مسخر ہوا۔ باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا۔ اسی

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۳ واقعات کی تفصیل ازدی سے ماخوذ ہے۔ [2] طبری ص ۲۴۰۴
[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۷

طرح ۱۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان پر حملہ کیا۔ ۱۷ھ میں وہ معزول ہوئے، اور ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعریؓ مقرر ہوئے، انھوں نے نئے سروسامان سے حملہ کیا، اور اہواز، مناذر، سوس، رامہرز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے صدر مقام شوستر کا رُخ کیا۔ یہ نہایت مستحکم اور قلعہ بند مقام تھا، لیکن ایک شخص کی رہنمائی سے مسلمانوں نے تہہ خانے کی راہ سے گھس کر اس کو مسخر کر لیا۔ یہاں کا سردار ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ بھیجا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اسلام قبول کیا۔[۱] حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ مقرر کر دیا۔

فتوحاتِ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے بہ اصرار فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، اور فرما، بلبیس، ام دنین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کے لیے لکھا۔ انھوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے۔ زبیر بن العوام، عبادہ بن صامتؓ، مقداد بن عمرؓ، سلمہؓ بن مخلد، حضرت عمرو بن العاص نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔ سات مہینے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا، اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں۔ مقام کریون میں ایک سخت جنگ ہوئی، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی، اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اسکو بھی فتح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے مژدۂ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا۔[۲]

فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکّہ بیٹھ گیا، اور بہت سے قبطی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

شہادت مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی، حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی جو بیجا تھی، اس لیے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے۔ حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے نماز پڑھائی۔

یہ ایسا کاری زخم تھا کہ اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لیے نامزد کیا، کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے، اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے ان لوگوں کے نام یہ ہیں۔ علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی۔[۳]

---

[۱] عقد الفرید ابن سیدیہ باب المکیدہ فی الحرب [۲] مقریزی ص ۲۶۷ [۳] مستدرک ج ص ۹۱ [۴] ایضاً ص ۹۱، ۹۳

اس کے بعد مہاجرین، انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو وصیت کی کہ مجھ پر جس قدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا، اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ غرض اسلام کا سب سے بڑا امیر دیگر ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۴ھ میں واصل بحق ہوا، اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو رہا۔

ازدواج واولاد حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے۔ ان کے ازدواج کی تفصیل یہ ہے زینبؓ، ہمشیرہ عثمانؓ بن مظعون۔ مکہ میں مسلمان ہو کر مریں۔ قریبہؓ بنت ابی امیہ المخزومی مشرکہ ہونے کے باعث انھیں طلاق دے دی تھی۔ ملیکہؓ بنت جرول، مشرکہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھی طلاق دی دی۔ جمیلہؓ کسی وجہ سے ان کو بھی طلاق دے دی۔ عاتکہؓ بنت زید ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا پھر حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔ ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت فاطمہ کی نور دیدہ تھیں۔ حضرت عمرؓ نے خاندانِ نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت حفصہؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات میں داخل تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی

اولادِ مذکور کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبدالرحمٰن، زید، مجیر۔ ان سب میں عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم اپنے علم وفضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں [1]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن الخطاب

فاروقی رضؓ کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر | فتوحات کی جو تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش، ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم وایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا۔ لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرا نشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ وبالا کر دیا، لیکن ان کے فتوحات کو فاروق اعظم رضؓ کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہیں۔ وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم و خونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے۔ چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا، برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا۔ فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے۔ قتل عام تو ایک طرف، ہرے بھرے درختوں تک کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔ مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا عدل وانصاف کرتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوش امتنان میں مسلمانوں کی اعانت و مساعدت سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمت انجام دی[1]۔ حملہ مصر میں قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا[2]۔ اسی طرح عراق میں مجوسیوں نے اسلامی لشکر کے لیے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمرؓ کے مقابلہ سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے۔ سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کیلئے مفید ثابت ہوئیں، لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیرپا نہیں ہو سکتی، چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش برآب ثابت ہوئیں۔ اس کے برخلاف فاروق اعظمؓ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل وانصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی۔ اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی

---

[1] بلاذری ص ۱۲۸ [2] بلاذری ص ۱۲۸

اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضۂ اقتدار میں موجود ہے۔

یورپین مورخین عہد فاروقی کے اس بدیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوکی اور مسلسل بدنظمیوں کے باعث اوج اقبال سے گزر چکی تھیں، لیکن یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں بادشاہوں کے اول بدل اور معمولی اختلاف سے اس درجہ کمزور ہوگئی تھیں، کہ روم وایران میں قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ وجلال نہ تھا تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکراکر پرزے پرزے ہوجانا دنیا کا عجیب وغریب واقعہ ہے، اور ہم کو اس کا راز ان سلطنتوں میں کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظام خلافت اور خلیفۂ وقت کے طرز عمل میں تلاش کرنا چاہیئے۔

نظام خلافت | اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا، اور ان کے قلیل زمانۂ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے، لیکن منتظم اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا۔ انھوں نے نہ صرف قیصر وکسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے ممالک محروسہ میں شامل کیا، بلکہ حکومت وسلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا، اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں سب انکے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے، لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں، یہ بتانا ضروری ہے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟

حضرت عمرؓ کی خلافت جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی، یعنی تمام ملکی وقومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے ہوتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرینؓ وانصار کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے، اور بحث ومباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ مجلس کے ممتاز ومشہور ارکان یہ ہے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، [1]

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی، جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آجانے پر طلب کی جاتی تھی ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی، جس کو ہم مجلس خاص کہہ سکتے ہیں۔ اس میں صرف مہاجرین صحابہؓ شریک ہوتے تھے۔ [2]

---

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷۶

مجلسِ شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی "الصلاۃ جامعۃ" کا اعلان کرتا تھا۔ لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے۔ اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔ [1]

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا موقع دیا جائے، حاکم کے اختیارات محدود ہوں، اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا، اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے اس کی کیا حیثیت ہے۔ نمونہ کے لیے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:۔

انما انا ولکم کولی الیتیم ان	مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے
استغنیت استعففت وان	جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی
افتقرت اکلت بالمعروف	کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولتمند ہونگا تو
لکم علی ایھا الناس خصال	کچھ نہ لوں گا، اور اگر صاحبِ حاجت
فخذونی بھا لکم علی ان لا	ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لیے لوں
اجتبی شیئا من خراجکم	گا۔ صاحبو میرے اوپر تمہارے متعدد
ومما افاء اللہ علیکم الا من	حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا
وجھہ، لکم علی اذا وقع فی	چاہیئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور
یدی ان لا یخرج منی الا	مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے
فی حقہ ولکم ان ازید فی	پائے۔ ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں
اعطیاتکم واسد ثغورکم	اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں
ولکم علی ان لا القیکم	اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ
فی المھالک۔ [2]	ڈالوں۔

مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی، بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے ساتھ اس

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۴۵ [2] کتاب الخراج ص ۶۷

پر عامل بھی تھے۔ واقعات اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مالِ غنیمت آیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں، اور کہا کہ امیر المومنین! میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں۔ اس لیے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ" بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ افسوس ہے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا۔ وہ بیچاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔[1]

ایک دفعہ خود بیمار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا، لیکن بلا اجازت لے نہیں سکتے تھے۔ مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ" اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں"[2]۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے مہمات امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمیوں کو خود خلیفۂ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا" اتق اللہ یا عمر[3]"، اے عمرؓ خدا سے ڈر۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا حضرت عمرؓ نے فرمایا، نہیں، کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو بیمصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم۔ یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ قدم تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے۔ ایک عورت نے اثنائے تقریر ٹوک دیا، اور کہا،" اتق اللہ یا عمرؓ" یعنی اے عمرؓ خدا سے ڈر۔ اس کا اعتراض صحیح تھا، حضرت عمرؓ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا، اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم وثبات کا مجسم پتلا بنا دیا تھا۔

خلافتِ فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس درجہ منظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا، اور کس طرح حکومت کی ہر ایک شاخ کو مستقل محکمہ کی صورت میں قائم کر دیا تھا۔

نظامِ حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰۔ [2] ایضاً ص ۲۵۳ [3] کتاب الخراج ص ۷۔

شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین ۔ ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے خراسان، آذربائیجان، فارس۔ ہر صوبہ میں مفصلۂ ذیل بڑے بڑے عہدے دار رہتے تھے، والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میرمنشی کاتب دیوان یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی۔ صاحب الخراج یعنی کلکٹر۔ صاحب احداث یعنی افسر پولیس صاحب بیت المال، یعنی افسر خزانہ، قاضی، یعنی جج۔ چنانچہ کوفہ میں عمارؓ بن یاسر والی، عثمانؓ بن حنیف کلکٹر عبد اللہ ابن مسعودؓ افسر خزانہ، شریحؒ قاضی، عبد اللہ بن خزاعی کاتب دیوان تھے۔ [۱]

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا حضرت عمرؓ کسی لائق، راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے، اور چونکہ حضرت عمرؓ میں جوہر شناسی کا مادہ فطرۃً تھا۔ اس لیے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے چنانچہ نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لیے نعمان ابنؓ مقرن کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا۔ [۲]

احتساب خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے۔ حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ [۳] اسی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے، اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیتے تھے [۴] اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے۔ خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی انھوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا، اور بیت المال میں داخل کر لیا۔ موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے [۵] چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھی، اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں، حضرت نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو سو کوڑے لگائے حضرت عمروؓ بن العاص نے التجا کی کہ عمال پر یہ امر گراں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ البتہ تم اس کو راضی کر لو۔ عمروؓ بن العاص نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک تازیانے کے عوض

[۱] طبری ص ۲۶۴۱ [۲] استیعاب تذکرہ نعمان [۳] طبری ص ۲۷۴۷ [۴] فتوح البلدان ص ۲۱۹ [۵] تاریخ طبری ص ۲۶۸

دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔ ؎۱

حضرت خالد سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاجِ اسلام کے گوہرِ شاہوار اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور با اثر بزرگ تھے۔ محض اس لیے معزول کر دیئے گئے کہ انھوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا۔ اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ ؎۲

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے شکایتیں گزریں کہ انھوں نے اسیرانِ جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں، اور کاروبارِ حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے، اور کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آ سکتی۔ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا۔ تو انھوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئی ؎۳۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہلِ حاجت کو رکاوٹ ہو گی محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھتے رہے ؎۴

عیاض بن غنم عاملِ مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں، اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پہ مامور کیا۔ محمد بن مسلمہ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پہ دربان تھا۔ اور عیاض باریک کپڑے پہنے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اتروا دیا، اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی۔ مگر بار بار کہتے تھے۔ اس سے مرجانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے اس میں عار کیوں ہے؟ عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ؎۵

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارمِ اخلاق سے آراستہ ہو جائے۔ انھوں نے

؎۱ کتاب الخراج ص ۶۶ ؎۲ ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۸ ؎۳ طبری ص ۲۷۲۱۔۱۲ ؎۴ کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵ ؎۵ کتاب الخراج ص ۶۲۱

عرب جیسی فخار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں۔ یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے ۔[۱]

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمرؓ آنکلے، یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر تو ہے ؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا ! اوما تری فتنة للمتبوع ومذلة للتابع[۲] یعنی تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

شعر و شاعری کے ذریعے ہجو و بدگوئی عرب کا عام مذاق تھا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا۔ حطیہ اس زمانہ کا مشہور ہجوگو شاعر تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا، اور آخر اسی شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔[۳] ہوا پرستی، رندی اور آوارگی کی نہایت شدت سے روک تھام کی شعرا کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا۔ شراب خوری کی سزا سخت کر دی چالیس درے سے اسی درے کر دیئے ۔

حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرانہ ہو جائیں۔ افسروں کو خاص طور پر پارسیوں اور عیسائیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے۔ سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر حریر یا دیباج کے حلے اور پر تکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو۔[۴]

مسلمانوں کو اخلاق ذمیمہ سے باز رکھنے کیساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی۔ مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے، اور تمام عمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں، اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے ۔[۵]

ملکی نظم و نسق | شام و ایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج کی جاگیریں دے دیئے جائیں حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں، کہ جن تلواروں نے ملک فتح کیا ہے، ان ہی کا قبضہ بھی حق ہے حضرت بلالؓ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا " اللھم اکفنی بلالا " لیکن علیؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد فاروق اعظمؓ کی رائے پر فیصلہ ہوا[۶]۔

عراق کی پیمائش کرائی قابل زراعت آراضی کا بندو بست کیا۔ عشر و خراج کا طریقہ قائم کیا عشنہ کا طریقہ

---

[۱] ادب المفرد باب ہل یجلس خادمہ معہ اذا اکل [۲] مسند دارمی ص ۷۰ [۳] اسد الغابہ تذکرہ زبرقان۔
[۴] طبری ص ۲۴۰۳ [۵] ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۰۱ [۶] کتاب الخراج ص ۱۴ و ۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا، لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح شام و مصر میں بھی لگان تشخیص کیا۔ لیکن وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا تجارت پر عشر یعنی چنگی لگائی گئی۔ اسلام میں یہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تھے، ان کو دس فیصدی ٹیکس دینا پڑتا تھا حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگا دیا۔ اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی گئی ورنہ گھوڑے مستثنیٰ تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں، اس لیے تجارت کے گھوڑے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی، اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں محکمہ قضا کے لیے اصول و قوانین بنائے۔ قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں، تاکہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ سلمانؓ، ربیعہؓ اور قاضی شریحؒ کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھی[1] اور امیر معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی[2] حل طلب مسائل کے لیے شعبہ افتاء قائم کیا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابو الدرداءؓ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ نے "احداث" یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ اس کے افسر کا نام "صاحب الاحداث" تھا حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنا دیا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں، مثلاً دکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں۔ کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے۔ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے۔ اس قبیل کے اور بہت سے امور کی نگرانی کا جن کا تعلق پبلک مفاد اور احترام شریعت سے تھا۔ پورا انتظام تھا، اور صاحبان احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام و نشان نہ تھا حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا[3] پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے چنانچہ ابو محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطنی کر دیا تھا۔[4]

---

[1] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج ۳ ص ۲۴۷ [2] استیعاب تذکرہ امیر معاویہؓ [3] مقریزی ج ۲ ص ۱۸۷
[4] اسد الغابہ ترجمہ ابو محجن ثقفی۔

بیت المال خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، چنانچہ انکی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے تقریباً ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی، اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ دارالخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں، اور ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر ہوئے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود خزانہ کے افسر تھے۔

صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔

بیت المال کے حساب کتاب کے لیے مختلف رجسٹر بنوائے، اس وقت تک کسی مستقل سنہ کا عرب میں رواج نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں سنہ ہجری ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی

تعمیرات اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا۔ تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منتظم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لیے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے خزانہ کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے، لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روزبہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا، اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا[۱]۔

---

[۱] طبری ذکر آبادی کوفہ

مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ میں جو خاص تعلق ہے، اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ کو سہل اور آرام دہ بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں اس کی طرف توجہ کی، اور مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرائے [۱]

ترقی زراعت کے لیے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں۔ بعض نہریں ایسی تھیں جن کا تعلق محکمۂ زراعت سے نہ تھا مثلاً نہر ابی موسیٰ جو محض بصرہ والوں کیلئے شیریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے دجلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی یہ نہر ۹ میل لمبی تھی۔ اسطرح نہر معقل جسکی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذا جاء نھر اللہ بطل نھر المعقل [۲]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ گورنر کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی، جو سعد بن عمرو بن احرام کے نام سے مشہور ہوئی [۳] اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رساں وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہوئی جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا [۴]۔

مستعمرات مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئندہ نظر آئے کہ انھوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرحِ اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نو آبادیاں قائم کیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے، ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

بصرہ ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا۔ ابتداء میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں کی سکونت اختیار کی، لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے، اسّی ہزار اور ان کی آل و اولاد کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے مدتوں مسلمانوں کا مایۂ ناز شہر رہا ہے۔

کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر المومنین کے حکم سے عراق کے قدیم عرب فرمانروا نعمان بن منذر کے پایۂ تخت کو آباد کیا، اور اس میں چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ شہر کے نقشہ کے متعلق خود ایک یادداشت لکھ بھیجی۔ اس میں حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں۔ اس سے کم کی مقدار ۳۰/۳۰ ہاتھ اور ۲۰/۲۰ ہاتھ سے کم نہ ہو جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے [۵] مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ

---

[۱] ایضاً ص ۲۵۲۹ [۲] فتوح البلدان ص ۳۶۵ [۳] ایضاً ص ۳۶۶ [۴] ایضاً ص ۳۸۳ [۵] حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶۸ [۶] معجم البلدان ج ۷ کوفہ

ہی کے عہد میں اس عظمت وشان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو راس اسلام فرمایا کرتے تھے۔ علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ امام نخعی، حماد، امام ابوحنیفہ اور امام شعبی اسی معدن کے لعل وگہر تھے

فسطاط دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کف دست میدان تھا حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلا بنا لیا۔ عمروؓ بن العاص نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا، کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو مصر کی تسخیر کے بعد انھوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں، اس لیے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا ۱؎

فسطاط نے بہت جلد ترقی کرلی، اور پورے مصر کا صدر مقام ہوگیا چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ میں اس شہر کے عروج وکمال کا نقشہ کھینچتا ہے:۔

"یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے۔ دنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔"

موصل یہ پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا حضرت عمرؓ نے اس کو ایک عظیم الشان شہر بنا دیا ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی، اور چونکہ یہ مشرق ومغرب کو آپس میں ملاتا ہے اسلیئے اسکا نام موصل رکھا گیا۔

جیزہ فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاص اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں تھوڑی سی فوج لب ساحل پر متعین کر دی تھی۔ ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آگیا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کیلئے ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرا دیا، اور اس سے یہاں ایک مستقل نوآبادی کی صورت پیدا ہوگئی ۲؎

فوجی انتظامات اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہوگیا اور قیصر وکسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے، تو اس کو ایک منظم اور فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور تمام ملک کو فوجی بنانا چاہا، لیکن ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی، اس لیے پہلے قریش وانصار سے آغاز کیا، مخرمہ بن نوفلؓ، جبیرؓ بن مطعم، عقیلؓ بن ابی طالب کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش وانصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام ونسب تفصیل سے درج ہو۔ اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا، اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کی بیوی بچوں کے گذارے کے لیے وظائف مقرر ہوئے۔ مہاجرین اور

۱؎ ایضاً ذکر فسطاط ۲؎ جیزہ کے تفصیلی حالات مقریزی میں مذکور ہیں۔

انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہلِ بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ جن لوگوں کو جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں[۱] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر تمام قبائلِ عرب میں عام کر دیا۔ پورے ملک کی مردم شماری کی گئی، اور ہر ایک عربی نسل کی علی قدر و مراتب تنخواہ مقرر ہوئی، یہاں تک کہ شیرخوار بچوں کیلئے بھی وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔[۱]

ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا۔ تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا۔ اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جن کو امراء الاعشار کہتے ہیں۔ تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں، وہ امرائے اعشار کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی۔ کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی جس خدمت اور کارگذاری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا چنانچہ زہرہ عصمۃ الضبی وغیرہ نے قادسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا اس صلہ میں انکی تنخواہیں دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار کر دی گئیں۔[۲]

حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا۔ انھوں نے نہایت تاکیدی احکام جاری کیے تھے، کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے، کیونکہ اس سے انکے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خاص لحاظ رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔[۳]

قواعد کے متعلق چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، اور ننگے پاؤں چلنا ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل و عیال سے ملنے کیلئے رخصت دی جاتی تھی[۴] جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے نہ سوار ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ سے بچیں، حماموں میں نہ نہائیں۔[۵]

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز و شاداب مقامات بھیج دی جاتی تھیں۔ بارکوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں آب و ہوا کی خوبی کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں۔ غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لیے اعلیٰ اصول وضع کر دیئے تھے، کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۱] تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ دیکھو کتاب الخراج ص ۲۴ و مقریزی ج ۱ ص ۹۲ و بلاذری ۴۵۳ ص [۳]
[۳] فتوح البلدان ص ۴۶۴ [۴] فتوح البلدان ص ۴۶۴ [۵] فتوح البلدان ص ۱۴۸

حسب ذیل مقامات کو فوجی سرکز قرار دیا۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں تھیں، جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی فوج میں حسب ذیل عہدے دار لازمی طور پر متعین ہوتے تھے۔ خزانچی، محاسب، مترجم، طبیب، جراح اور جاسوس جو غنیم کے نقل و حرکت کی خبریں بہم پہنچایا کرتے تھے۔ یہ خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھیں۔ اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے،

وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش
ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے

آلات جنگ میں تیغ و سناں کے علاوہ قلعہ شکنی کے لیے منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا چنانچہ دمشق کے محاصرہ میں منجنیقوں کا استعمال ہوا تھا [۱]۔

فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی۔ مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ، ساقہ، طلیعہ، سفر مینا، رِدا یعنی عقبی گارد۔ شتر سوار، سوار، پیادہ، تیر انداز۔

گھوڑوں کی پرورش پرداخت کا بھی نہایت اہتمام تھا۔ ہر مرکز میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے لیس رہتے تھے۔ موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے۔ خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی، اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے "جیش فی سبیل اللہ" نقش کیا جاتا تھا۔

عرب کی تلوار اپنے فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنونِ احسان نہیں ہوئی، لیکن حریف اقوام کو خود ان ہی کے ہم قوموں سے لڑانا فن جنگ کا ایک بڑا اصول ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت خوبی سے برتا۔ صدہا عجمی، یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی۔ قادسیہ کے معرکے میں دوران جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار فوج حلقۂ اسلام میں آگئی، اور سعدؓ بن وقاص نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا، اور ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ یرموک کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپاہی عین حالتِ جنگ میں مسلمان ہو گیا، اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا

مذہبی خدمات مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام ہے حضرت عمرؓ کو اس میں بہت

---

[۱] طبری ص ۲۱۵۲ [۲] کنز العمال ج ۵ ص ۴۹

انہماک تھا، لیکن تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے، انھوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی اس نے باوجود ترغیب و ہدایت کے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں جبر نہیں ہے حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے محاسنِ اسلام پیش کر کے ان کو شریعتِ غرّا کی دعوت دی جائے۔ اس کے علاوہ انھوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا، وہ جس طرف گزر جاتے تھے، لوگ ان کے اخلاق تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ رومی سفیر اسلامی کیمپ میں آیا، تو سالار فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھنچ گیا، اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا، اور دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہو گیا[1]۔

وہ عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے۔ نسبتاً آسانی کے ساتھ اسلام کی جانب مائل کیے جا سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا، چنانچہ اکثر قبائل معمولی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں کے فتوحات کی بوالعجبی نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلا دیا، چنانچہ معرکۂ قادسیہ کے بعد دیلم کی چار ہزار جنگی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا[2] اسی طرح فتح جلولا کے بعد بہت سے رؤسا برضا و رغبت مسلمان ہو گئے جن میں بعض کے نام یہ ہیں جمیل بن بصبہری بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزان[3] عراق کی طرح شام و مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے چنانچہ شہر فسطاط میں ایک بڑا محلہ نومسلموں کا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ دینِ حنیف کی آئندہ کے لیے راستہ صاف کر گئے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعار اسلامی کی ترویج تھی اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مساعی کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن مجید جو اساس اسلام ہے حضرت عمرؓ ہی کے اصرار سے کتابی صورت میں عہد صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا رواج دیا معلمین اور حفاظ اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں[4] حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداؓ کو جو حفاظ قرآن اور صحابۂ کبار میں سے تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے ملک شام میں روانہ کیا[5]۔ قرآن مجید کو صحت کیساتھ پڑھنے اور پڑھانے کے لیے

---

[1] مقریزی ص ۲۹۶ ج ۲ [2] فتوح البلدان ص ۲۰۹ [3] ایضاً فتح جلولا ، [4] سیرۃ العمرین میں مذکور ہے۔ ان عمرؓ بن الخطاب و عثمان کان یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین [5] کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱

تاکیدی احکام روانہ کیے۔ ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکمنامہ کے الفاظ یہ ہیں۔ تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ غرض حضرت عمرؓ کے مساعی جمیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہوگئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار ہی نہیں۔ حافظوں کی تعداد ہزار ہا تک پہنچ گئی تھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ "صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔[1]

اصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

احادیث نبویؐ کو نقل کرا کے احکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو۔ مشاہیر صحابہؓ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کیلئے بھیجا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا عبداللہ بن مغفل عمران بن حصین اور معقل بن یسار کو بصرہ بھیجا۔ حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابوالدرداؓ کو شام روانہ کیا۔[2]

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہؓ عدول ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ یہ چیزیں خصائص بشری ہیں، ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا چنانچہ انھوں نے روایات قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا۔ ایک دفعہ آپ کسی کام میں مشغول تھے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابو موسیٰؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دفعہ اجازت مانگو، اگر اس پر بھی نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔[3] حضرت ابو موسیٰ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا۔ اسی طرح سقط یعنی کسی عورت کا حمل ضائع کر دینے کے مسئلہ میں مغیرہؓ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی۔ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو انھوں نے تسلیم کیا۔[4] حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی، تو حضرت عمرؓ نے تائیدی ثبوت طلب کیا۔ جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی، بلکہ اپنا اطمینان مقصود تھا۔[5]

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ چنانچہ جب قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے، اور سمجھایا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو، جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے، ایسا نہ ہو کہ ان کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کر احادیث کی طرف مبذول کر دو۔[6] حضرت ابو ہریرہؓ بڑے

---

[1] ایضاً ۲۱ [2] ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۶ [3] مسلم باب الاستیذان [4] ابوداؤد کتاب الدیات باب دیۃ الجنین
[5] تذکرۃ الحفاظ جلد اول تذکرہ عمرؓ [6] ایضاً ص ۷

حافظِ حدیث تھے اسلئے وہ روایتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے۔ ایکدفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح روایت کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں ایسا کرتا تو دُرّے کھاتا۔ ؎۱

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے، حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے، اور دور دراز ممالک کے حکام کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے۔ مختلف فیہ مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کرا کے طے کراتے تھے۔ اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا تمام ممالک محروسہ میں فقہاء مقرر کیے تھے، جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے، اور حسب بیان ابن جوزی حضرت عمرؓ نے فقہا کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کی تھی۔ اس سے پہلے فقہا اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا غرض یہ کہ فاروق اعظمؓ کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منظم سلسلہ قائم ہوگیا تھا جس کی تفصیل کیلئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بڑی توجہ کی، تمام ممالک محروسہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں، امام اور موذن مقرر کیے حرم محترم کی عمارت ناکافی تھی ۱۷ھ میں اس کو وسیع کیا۔ غلاف کعبہ کے لیے نطع کے بجائے قباطی کا رواج دیا، جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بُنا جاتا تھا۔ مسجد نبویؐ کو بھی نہایت وسعت دی پہلے اس کا طول سو گز تھا، انھوں نے بڑھا کر ۱۴۰ گز کر دیا، عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔ مسجد کے ساتھ ایک گوشہ میں چبوترا بنوا دیا، کہ جس کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو تو یہاں چلا آئے۔ مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ ہی کے عہد سے ہوا، حجاج کی راحت و آسائش کا بھی پورا انتظام تھا۔ ہر سال خود حج کیلئے جاتے، اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے تھے ؎۲۔

متفرق انتظامات ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم ان متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں آتے

۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سرگرمی ظاہر کی، وہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہے گی۔ بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا۔ تمام صوبوں سے غلہ منگوایا۔ اور انتظام کیساتھ قحط زدوں میں تقسیم کیا گیا ؎۳ لاوارث بچوں کے دودھ پلانے اور پرورش و پرداخت کا انتظام کیا ؎۴ غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کیے اور منبر پر اس کا اعلان فرمایا۔

انی فرضت لکل نفس مسلمۃ فی شہر مدی حنطۃ وقسطی خل۔ میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا، ہاں غلام کے لیے بھی ؎۵ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے

؎۱ ایضاً ص ۷، ؎۲ اسد الغابہ تذکرۂ عمرؓ ؎۳ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۷ میں اس کی پوری تفصیل ہے ؎۴ ایضاً ص ۱۷۱ ؎۵ فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطاب۔

کہ حضرت عمرؓ اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ اس طرح مفت خوری سے لوگ کاہل ہوجائیں گے۔ درحقیقت انھوں نے ان ہی لوگوں کے روزینے مقرر کیے تھے جو یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے، یا ضعف کے باعث کسب معاش سے معذور تھے۔

ملکی حالات سے واقفیت کے لیے ملک کے ہر حصہ میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کیے تھے جن کے ذریعہ سے ہر جزئی واقعہ کی اطلاع ہوجاتی تھی۔ مورخ طبری لکھتے ہیں۔

وکان عمر لا یخفی علیہ شئی	عمرؓ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق
فی علمہ کتب الیہ من العراق	میں جن لوگوں نے خروج کیا، اور شام میں
بخروج من خرج و من	جن لوگوں کو انعام دیئے گئے، سب ہی ان
الشام بجائزۃ من اجیز بھا	کو لکھا جاتا تھا۔

محکمۂ خبر رسانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم میسان نے عیش و عشرت میں مبتلا ہوکر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین یسوءہ تنادمنا بالجوسق المتھدم

غالباً امیر المومنین برا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں میں رندانہ صحبت رکھتے ہیں۔

اس محکمہ کو میاں بیوی کے راز و نیاز کی بھی خبر ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کر کے لکھا کہ "ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی"۔[۱]

عدل و انصاف خلافت فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل و انصاف ہے۔ ان کے عہد میں کبھی سرمو بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا، شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کے لیے ایک ہی قانون تھا ایک دفعہ عمروؓ بن العاص کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمرؓ نے اسی مضروب سے ان کے کوڑے لگوائے عمروؓ بن العاص بھی موجود تھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تماشہ دیکھا کیے، اور دم نہ مار سکے۔[۲] جبلہ بن ایہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا۔ جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہوکر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں، تو اسامہؓ بن زید کی تنخواہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زیدؓ کے فرزند تھے، اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ

---

[۱] استیعاب ج ۱ تذکرہ نعمان بن عدی [۲] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵ [۳] مستدرک حاکم جلد ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ

اسامہؓ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

فاروقی عدل وانصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا، بلکہ ان کا دیوانِ عدل مسلمان، یہودی عیسائی سب کے لیے یکساں تھا۔ قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کیا گیا اور اس نے اس کو مقتول عزیز کے بدلہ میں قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک بیر کہن سال کو گداگری کرتے دیکھا پوچھا تو بھیک مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے حالانکہ میں مفلس ہوں۔ حضرت عمرؓ اپنے گھر سے آئے اور کچھ نقد دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے، واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم متمتع ہوں، اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں۔ [۱]

عرسوس کے عیسائیوں کو ان کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلاوطن کیا گیا، مگر اس طرح کہ ان کی املاک کی دوچند قیمت دی گئی [۲]۔ نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا گیا تو ان کیساتھ بھی اچھا سلوک کیا گیا۔ [۳]

۱؎ کتاب الخراج ص ۷۲، ۲؎ فتوح البلدان ص ۱۶۳ ۳؎ طبری ص ۲۱۶۲۔

علم و فضل

اسلام قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہ تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قبیلۂ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا[1]

حضرت عمرؓ کے فرامین، خطوط، توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، ان سے ان کی قوت تحریر، خوش کلامی اور زور تحریر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بیعتِ خلافت کے بعد جو خطبہ دیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہیں:۔

اللھم انی غلیظ فلینی اللھم انی	اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر میں کمزور ہوں
ضعیف فقونی الا وان العرب	مجھ کو قوت دے۔ ہاں! عرب والے سرکش
جمل انف وقد اعطیت خطامہ	اونٹ ہیں جنکی مہار میرے ہاتھ دیدی گئی ہے
الا وانی حاملہ علی المحجۃ	لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا

قوتِ تحریر کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے نام لکھا گیا تھا اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

اما بعد فان القوۃ فی العمل	اما بعد! مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام
ان لا تؤخروا عمل الیوم لغد	کل پر نہ اٹھا کر رکھو، ایسا کرو گے تو تمہارے
فانکم اذا فعلتم ذالک	پاس بہت سے کام جمع ہو جائیں گے پھر پریشان
تدارکت علیکم اعمالکم فلم	ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو چھوڑ دیں، اس
تدروا ایھا تاخذون فاضعتم۔	طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

شاعری کا خاص ذوق تھا، اور شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، مشاہیر میں زہیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے[2]، لیکن اس کی طرف زیادہ توغل نہ تھا۔ فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے جو آج بھی ادب

---

[1] بلاذری ص ۴۷۷ [2] ابو علی الحسن ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

عربی کی جان ہیں۔ علم الانساب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہ علم کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں چلا آتا تھا۔ ان کے والد خطاب مشہور نساب تھے۔ جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ کا حوالہ دیتے تھے[۱] معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان بھی انھوں نے سیکھ لی تھی۔ مسند دارمی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اور پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے اور آنحضرت کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہے[۲]۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ عبرانی زبان سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ فطرۃً ذہین، طبّاع اور صاحب الرائے تھے۔ اصابت رائے کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ ان کی رائے کے موافق ہوا۔ اسیران بدر کے متعلق جو رائے انھوں نے دی، وحی الٰہی نے اسی کی تائید کی۔ شراب کی حرمت، ازواج مطہرات کے پردہ اور مقام ابراہیم کو مصلےٰ بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزول وحی سے پہلے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو رائے دی تھی۔[۳]

آپ کو بارگاہ نبوت میں جو خاص تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے قدرتاً ان کو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا۔ طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی، اس لیے آئندہ نسلوں کے لیے اجتہاد اور استنباط مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کر دی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی شرعی مسائل پر غور و فکر کیا کرتے تھے، اور جب کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا تو اس کو آپ سے دریافت کیا کرتے تھے۔ سفر میں قصر کا حکم دیا گیا تھا، لیکن جب راستے مامون ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب سفر میں یہ حکم کیوں باقی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ خدا کا انعام ہے"۔

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہیں کرتے تھے، اور جب تک تشفی نہ ہو جاتی ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو نہایت دقیق اور مختلف فیہ مسئلہ ہے، بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آخر میں آپ نے فرمایا، سورۂ نساء کی آخری آیت تمہارے لیے کافی ہے[۴]۔

نہایت غور و توجہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ ہر ایک آیت پر مجتہدانہ حیثیت سے

---

[۱] کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۱۱۷ [۲] مسند دارمی ۶۲ [۳] تاریخ الخلفاء ص ۱۲ بخاری کے مختلف ابواب میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ [۴] تفسیر ابن جریر جلد ۶ ص ۲۵

نگاہ ڈالتے تھے۔ ایک دن صحابہؓ کے مجمع میں اس آیت کے معنی پوچھے اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ، لوگوں نے کہا واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل دی گئی ہے چونکہ جواب ناتمام تھا حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی، لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جسکو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے لیکن اس نے نافرمانی کی، تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے جائیں گے۔ [۱]

قرآن مجید سے استدلال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہاں کے باشندے ان کے غلام ہیں حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقام مفتوحہ کسی ایک شخص یا بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقفِ عام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی مَآ اَفَآءَ اللہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی

بالآخر سب نے اس کی تائید کی اور اسی پر فیصلہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کی مرفوع روایات کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے۔ درحقیقت انھوں نے اپنے عہد خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے ہیں وہ سب احادیث ہی سے ماخوذ ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیا گیا اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قول کو منسوب کرنے میں نہایت محتاط تھے۔ جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح بیان فرمایا ہے، اس وقت تک ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ نہیں نکالتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی کثرت روایت سے روکتے تھے۔ علامہ ذہبی حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

وقد کان عمر من وجلہ یخطئ الصاحب	اور حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں۔ ان کو حکم دیتے
یامرھم ان یقلوا الروایۃ عن نبیھم	تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم روایت کریں

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل ہے۔ اگرچہ ابوبکر صدیق

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص ۲۵۱

بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے میں ثبوت اور شہادت کا لحاظ رکھا، لیکن حضرت عمرؓ کو اس میں بہت زیادہ غلو تھا، اور جب تک روایت و درایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا قبول نہ کرتے۔ اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں، اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے۔ ان سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ استنباطِ احکام اور تفریع مسائل کے لیے بھی انھوں نے ایک شاہراہ قائم کر دی تھی۔ مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لیے اجماع صحابہ جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا پھر نہیں ہوا

---

[۱] تفسیر ابن جریر جلد ۶ ص ۲۵ [۲] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۱ [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ تذکرہ عمرؓ

اخلاق وعادات

حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حقیقی مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھی جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو براہِ راست اس سرچشمۂ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا اس لیے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسّم نمونہ تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے ان کو زیادہ حصّہ ملا۔ وہ محاسن ومحامد کی مجسّم تصویر تھے۔ ان کے آئینۂ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذِ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے یہ اوصاف آپ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص آپ کی صحبت میں رہتا تھا، وہ بھی کم وبیش متاثر ہو کر اسی قالب میں ڈھل جاتا۔ مسورؓ بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری تقویٰ سیکھیں۔ عہد فاروقی کے افسروں اور عہدیداروں کے حالات کا بغور مطالعہ کرو، تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

خوف خدا اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصل سرچشمہ خشیتِ الٰہی اور خداوند جل وعلا کی جبروت وعظمت کا غیر متزلزل تیقن ہے، جو دل خشوع وخضوع اور خوف خداوندی سے خالی ہے، اس کی حقیقت ایک مضغۂ گوشت سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمرؓ خشوع وخضوع کے ساتھ راتدرات بھر نمازیں پڑھتے صبح ہونے کے قریب گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وامر اھلک بالصلوٰۃ[1] نمازیں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت کا، جلال کا بیان ہوتا، اور اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بند ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا[2] حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے،

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ۔ تیرے رب کا عذاب یقینی ہو کر رہنے والا ہے اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں

[1] موطا امام مالک باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل۔ [2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا بکی فی صلوٰۃ

تو بہت متاثر ہوئے، اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں، اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر وَاِذَا اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا اس قدر خضوع وخشوع طاری ہوا کہ اگر کوئی ان کے حال سے ناواقف شخص دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائے گی۔

رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورۂ یوسف شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ، تو زار و قطار رونے لگے، یہاں تک کہ قرآن مجید ختم کر کے رکوع پر مجبور ہو گئے۔ [۱]

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے، اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ تم یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے ہجرت کی، جہاد اور نیک اعمال کیے۔ اس کے بدلہ میں دوزخ سے بچ جائیں، اور عذاب و ثواب برابر ہو جائے بولے خدا کی قسم نہیں۔ ہم نے آپ کے بعد بھی روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، بہت سے نیک کام کیے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔ [۲] ایک بار راہ میں ایک تنکا اٹھا لیا، اور کہا کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا۔ کاش! کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی [۳] غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوف خداوندی سے لرزاں و ترساں رہتا تھا، آپ فرماتے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں، تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں [۴]۔

حبِ رسول اور اتباعِ سنت تہذیبِ نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونے کے لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل میں مبدأ اخلاقِ عظیم یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص محبت اور اتباعِ سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے، جو دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں ارشاد ہوا عمرؓ! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہیئے، حضرت عمرؓ نے کہا اب حضور صلعم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

---

[۱] کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۷، [۲] بخاری باب ایام الجاہلیۃ [۳] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۵ [۴] ایضاً۔

آپ جمال نبوت کے سچے شیدائی تھے۔ ان کو اس راہ میں جان ومال، اولاد اور عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔ عاص بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا، معرکہ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کرلی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا، جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا خدا کی قسم میں حفصہؓ کی سفارش کیلئے نہیں آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اسکی گردن ماردوں[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا۔ مسجد نبوی میں حالتِ وارفتگی میں قسمیں کھا کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا، اس کا سر توڑ دوں گا۔ آپؐ کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت طاری ہو جاتی، اور روتے روتے بیتاب ہو جاتے، ایک دفعہ سفر شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوگئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔[2]

یہ فطری امر ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے، اس بناء پر جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے ایام خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا۔

چنانچہ جب آپ نے صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام زیدؓ بن حارثہ کے فرزند اسامہؓ بن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی۔ عبداللہؓ نے عذر کیا، تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[3] اسی طرح جب فتح مدائن کے بعد مال غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے، اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو صرف پانچ سو دیئے۔ حضرت عبداللہ نے عذر کیا، اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے، اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں! لیکن ان کے بزرگوں کا جو مرتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

ازواج مطہراتؓ کے مرتبہ، ان کے احترام اور آرام و آسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ ہزار مقرر کیں[4] ۲۳ھ میں جب امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات کو

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱ [2] فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس [3] مستدرک ج ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ
[4] کتاب الخراج ص ۲۴۔

نہایت ادب واحترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ ازواج مطہراتؓ منزل پر حضرت عمرؓ کیساتھ قیام کرتی تھیں، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے [1]

حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زریں صفحہ اتباع سنت تھا، وہ خورد و نوش، لباس و وضع نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کی تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے روم و ایران کی شاہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا، ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے، اس لیے آپ کو نرم لباس اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے حضرت عمرؓ نے کہا، جان پدر! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں۔ خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا، کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو، اس کے بعد دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بے تاب ہو کر رونے لگیں [2]

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے، معمولی کھانے کے بعد دسترخوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا، اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادۂ مستقیم سے منحرف کر دے گا [3]

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا ہے حضرت عمرؓ کو اپنے زمانۂ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ پتھر کو بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکہ ہو کہ اس میں بھی الٰہی شان ہے، حجر اسود کو بوسہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

انی اعلم انک حجر وانک لا	میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان
تضر ولا تنفع ولو لا انی رایت	پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
رسول اللہ یقبلک ما قبلتک	وآلہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین عرب کے دلوں پر رعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا، اس لیے جب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے، مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار کو ترک کرنے پر جرأت نہ ہوتی [4]

[1] ابن سعد تذکرۂ عبدالرحمٰن بن عوف [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۹ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵ [4] بخاری کتاب الحج

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گذرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا یہ نماز کیسی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "میں نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا"۔

یہ کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباعِ سنّت کے جذبہ سے معمور ہو جائے۔ ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد داخل ہوا حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کی حالت میں اسکی طرف دیکھا اور کہا، آنے کا یہ کیا وقت ہے؟ انھوں نے کہا کہ بازار سے آرہا تھا کہ اذان سنی، وضو کر کے فوراً حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، وضو پر کیوں اکتفا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جمعہ کو) غسل کا حکم دیا کرتے تھے [۱]

زہد و قناعت دنیا طلبی اور حرص تمام بداخلاقیوں کی بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی، یہاں تک کہ خود ان کے ہم رتبہ معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد و قناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمرؓ بن الخطاب پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد و قناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں، جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے کہ "اس کو لے لو پھر تمہیں اختیار ہے، اور اپنے پاس رکھو یا صدقہ کر دو، انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیے۔ [۲]

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔ بدن پر پارہ پارہ پیوند کا کرتہ، سر پہ پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے، اور وفود کو باریاب کرتے تھے۔ مسلمانوں کو شرم آتی تھی، مگر اقلیم زہد کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا، امیر المومنین، اب خدا نے مرفہ الحال کیا ہے، بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے رہتے ہیں، اس لیے آپ کو اپنے طرزِ معاشرت میں تغیّر کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، عائشہؓ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن

---

[۱] بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یوم الجمعہ [۲] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستعفاف۔

کو بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے۔ حفصہؓ! تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دہرا کرکے بچھادیا تھا اس کی نرمی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے، بلالؓ نے اذان دی تو آنکھ، اس وقت آپ نے فرمایا ا:-

یا حفصۃ ماذا صنعت ثنیت	حفصہؓ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دہرا کر دیا
المھاد حتی ذھب بی النوم الی	کہ میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیا دی راحت
الصباح مالی و للدنیا و مالی	سے کیا تعلق، اور فرش کی نرمی کی وجہ سے
شغلتمونی بلین الفراش[1]	تم نے مجھے غافل کر دیا۔

ایک دفعہ گزی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لیے دیا، اس نے اس کیساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو واپس کر دیا اور اپنا کرتہ لے کر کہا، اسمیں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے[2] یہ کپڑا عموماً گرمی میں بنواتے تھے، اور پھٹ جاتا تو پیوند لگاتے چلے جاتے۔ حضرت حفصہؓ نے اس کے متعلق گفتگو کی، تو فرمایا، مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔[3] ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے، اس لیے ان ہی کپڑوں کو دھوکر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اگر گیہوں کی ہوتی تھی، لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ حفص بن ابی العاصؓ اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی مقدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیا دی عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا۔[4]

حضرت عمرؓ ہر شخص کو اپنی طرح زہد اور سادگی کی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ وقتاً فوقتاً اپنے اعمال اور احکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ رومیوں اور عجمیوں کی طرز معاشرت نہ اختیار کریں۔ سفر شام میں جب انھوں

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ [2] ایضاً ص ۳۴۶ [3] ایضاً ص ۳۴۲ [4] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۶

نے افسروں کو اس وضع میں دیکھا کہ بدن پر حریر و دیبا کے حلے اور پُر تکلف قبائیں ہیں اور وہ اپنی زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان پر پھینکے، اور فرمایا کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جس کو انھوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا، اس صورت سے ملنے آیا کہ لباسِ فاخرہ زیب تن کیے ہوتے تھا، اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ اس وضع کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔

احنف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کیے گئے۔ وہ وہاں سے کامیاب ہو کر تزک و احتشام کے ساتھ واپس آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کی زرق برق پوشاک کو دیکھ کر منہ پھیر لیا، وہ لوگ امیر المومنین کو برہم دیکھ کر دربار سے اٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے پھر حاضرِ خدمت ہوئے حضرت عمرؓ اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور فرداً فرداً ہر ایک سے بغل گیر ہوئے۔

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے زمانۂ خلافت میں چند برس تک مسلمانوں کے مال سے ایک خرمہرہ نہیں لیا حالانکہ فقر و فاقہ سے حالت تباہ تھی۔ صحابہؓ نے ان کی عسرت اور تنگدستی کو دیکھ کر اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو لیکن شہنشاہ قناعت نے اس شرط پر قبول کیا کہ جب تک ضرورت ہے۔ لوں گا، اور جب میری مالی حالت درست ہو جائے گی، کچھ نہ لوں گا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرا حق مسلمانوں کے مال میں اسی قدر ہے جس قدر یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے[1] میں اپنی ذات پر اس سے زیادہ نہیں صرف کر سکتا جس قدر خلافت سے پہلے اپنے مال میں سے صرف کرتا تھا ایک دفعہ ربیع بن زیاد حارثی نے کہا۔ اے امیر المومنین! آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے، اس کے لحاظ سے آپ دنیا میں سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی کے مستحق ہیں۔ حضرت عمرؓ خفا ہوئے اور فرمایا۔ میں قوم کا امین ہوں، امانت میں خیانت کب جائز ہے[2] ایک دفعہ عتبہ بن فرقد شریکِ طعام تھے، اور ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے زبردستی حلق سے فرو کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہؓ سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگے امیر المومنین! اگر آپ اپنے کھانے پینے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کا مال کم نہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو[3]

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۰ [2] ایضاً ص ۳۴۶ [3] ایضاً ص ۳۴۸۔

اپنے وسیع کنبہ کے لیے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے اور تکلیف و عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے، ایک دفعہ حج میں اسی درہم صرف ہو گئے تو اس کا افسوس ہوا، اور اسے اسراف تصور کیا[1] کپڑے پھٹ جاتے تھے، لیکن اس خیال سے کہ بیت المال پر بار نہ پڑے، اسی میں پیوند پر پیوند لگاتے جاتے تھے۔ حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو ان کے تہ بند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ انس بن مالک کا بیان ہے کہ میں نے زمانۂ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتہ کے مونڈھ پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں[2] غرض فاروق اعظمؓ کے زہد و قناعت کا جو نمونہ پیش کیا، دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی عظمت و شان کے تاج پر زہد و قناعت ہی کا طرہ زیب دیتا ہے۔

خلافت کے بارگراں نے حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط بنا دیا تھا، کیونکہ اس وقت ان کی معمولی بے احتیاطی اور فرو گذاشت قوم کے لیے صدہا خرابیوں کا باعث ہو سکتی تھی، اور مشکوک طبائع ان کی ذرا سی لغزش سے طرح طرح کے افسانے اختراع کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے کہ اس میں جانبداری پائی جاتی تھی، عمال و حکام کے تحائف واپس کر دیتے اور اس سختی سے چشم نمائی کرتے کہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آپ کی زوجہ عاتکہؓ بنت زید کے پاس ہدیتہً ایک نفیس چادر بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ابو موسیٰ اشعری کو بلا کر کہا، مجھے اس کی ضرورت نہیں[3] اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم موجود تھا، انھوں نے اس خیال سے کہ یہ یہاں کیوں پڑا ہے اٹھا کر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کو دے دیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے درہم واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ افسوس تم کو مدینہ میں آلِ عمرؓ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا، تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو۔[4]

فتح شام کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے، اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ام کلثومؓ (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں۔ اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا، لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا، اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے۔ چنانچہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۷۰ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۴۷۔ [3] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۰ [4] ایضاً

کر دیئے، اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔ اس طرح ایک بازار میں ایک فربہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبد اللہؓ کا ہے۔ ان سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا، اور اب کچھ فربہ ہو گیا ہے تو بیچنا چاہتا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے، اس لیے تم صرف راس المال کے مستحق ہو، اور بقیہ قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی [1]

خلافت سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے۔ بیت المال سے وظیفہ مقرر ہونے تک بیشتر تک کچھ دنوں زمانہ خلافت میں بھی یہ مشغلہ جاری تھا، ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجنا چاہا، روپیہ کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبد الرحمن بن عوف سے قرض طلب کیا۔ انھوں نے کہا، آپ امیر المومنین ہیں، بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لوں گا، کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے مر جاؤں گا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے، اور یہ بار میرے سر رہ جائے گا اس لیے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے لوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو [2]

ایک دفعہ بیمار ہوئے، طبیبوں نے شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا، لیکن قلبِ متقی بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا، چنانچہ اسی حالت میں مسجد میں تشریف لائے، اور مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی۔ جب لوگوں نے اجازت دی تو استعمال فرمایا [3]۔

بحرین سے مالِ غنیمت سے مشک وعنبر آیا۔ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جس کو عطریات کے وزن میں دستگاہ ہو، حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنتِ زید نے کہا کہ میں اس کام کو کر سکتی ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا تم سے یہ کام نہیں لوں گا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تمہاری انگلیوں میں جو کچھ لگ جائے گا، اس میں اپنے جسم پر لگاؤ گی اور اس طرح عام مسلمانوں سے زیادہ میرے حصہ میں آجائے گا۔ [4]

ابو موسیٰ اشعریؓ نے عراق سے زیورات بھیجے، اس وقت آپ کی گود میں آپ کی سب سے محبوب تیم اسماء بنت زید کھیل رہی تھی۔ اس نے ایک انگوٹھی ہاتھ میں لے لی۔ حضرت عمرؓ نے بلطائف الحیل اس سے لے کر زیورات میں ملا دی، اور لوگوں سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے پاس سے لے جاؤ۔ اسی طرح عبد اللہ بن ارقم نے معرکہ جلولاء کے بعد زیورات بھیجے، تو آپ کے ایک صاحبزادے نے ایک انگوٹھی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۷ [2] طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم اول ص ۱۹۹ [3] ایضاً ص ۱۹۸ [4] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۰

اس سوال پر خفا ہوئے اور کچھ نہ دیا[1]۔

ایک دفعہ حضرت حفصہؓ یہ سن کر کہ مالِ غنیمت آیا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں، اور کہا، امیرالمومنین! اس میں میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے، میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں حضرت عمرؓ نے کہا، نورِ نظر تیرا حق میرے خاص مال میں ہے، یہ تو غنیمت کا مال ہے۔ افسوس ہے، کہ تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، وہ بے چاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب آقا حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوں، حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی تھی، مگر خیال یہ تھا کہ شاید خلافت کے رعب نے انھیں مجبور کیا ہو، اس لیے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اجازت لی جائے، اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس طرح وفات کے بعد فاروق اعظمؓ نے ورع و تقویٰ کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا[2] رضی اللہ عنہ۔

تواضع حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و دلیب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوانِ حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا عالم یہ تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لیے پانی بھرتے تھے۔ مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لا دیتے تھے، پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے گوشہ میں فرشِ خاک پر لیٹ جاتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے ایام خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے، ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا چونکہ تھک گئے تھے، اس لیے اپنے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی، اس کے لیے اس سے زیادہ کیا شرف ہو سکتا تھا، فوراً اتر پڑا اور سواری کے لیے اپنا گدھا پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا، تم جس طرح سوار تھے سوار رہو، میں تمہارے پیچھے بیٹھ لوں گا۔ غرض اسی حالت میں مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے۔ لوگ امیرالمومنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے[3]۔

آپ کو بارہا سفر کا اتفاق ہوا، لیکن خیمہ و خرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ درخت کا سایہ شامیانہ اور فرش خاک بستر تھا۔ سفرِ شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیرالمومنین کے معمولی لباس اور بے سرو سامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ سواری کیلئے ترکی گھوڑا اور پہننے کیلئے قیمتی لباس پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے

---

[1] ایضاً [2] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ [3] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۳

فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے، وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے ایک شخص نے کہا، امیر المومنین یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا۔ بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے، جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے۔[1]

تشدد و ترحم | حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں، اور ایک حد تک وہ صحیح بھی ہیں، لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے ان کو لطف اور رحمدلی سے ناآشنا رکھا تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا غیظ و غضب بھی خدا کیلئے تھا، اور لطف و رحم بھی اس کیلئے جیسا کہ ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا۔

واللہ لان قلبی فی اللہ حتی لھو	واللہ! میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہوتا ہے
الین من الزبد ولقد اشد قلبی	تو جھاگ سے بھی نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہوتا
فی اللہ لھو اشد من الحجر	ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لیے تھا۔ ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

غزوۂ بدر میں کافروں نے بنو ہاشم کو مسلمانوں سے لڑنے پر مجبور کیا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عباسؓ کہیں نظر آجائیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔ ابو حذیفہؓ کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا۔ حضرت عمرؓ یہ گستاخی دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے، اور کہا، اجازت دیجیئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔[2]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بڑے پایہ کے صحابی تھے، یہ تو ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے لیکن ان کے اہل و عیال مکہ میں تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کا قصد فرمایا تو حاطبؓ نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے اپنے بعض مشرک دوستوں کو اس کی اطلاع دے دی حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو برافروختہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اجازت دیجیئے کہ اس کو قتل کر دوں[3] اسی طرح ذوالخویصرہ نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا، اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم، عدل کر، حضرت عمرؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے، اور اس کو قتل کر دینا چاہا، لیکن رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا۔ غرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے اگر تم مزاج کی سختی کا اندازہ کر سکتے ہو تو دوسری طرح للّٰہیت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۲۴۲۔ [2] ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرہ عباسؓ ص ۴ [3] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح در مابعث بہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ

ایامِ جاہلیت میں جو سختیاں ظاہر ہوئیں وہ اصول سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی، حکام سے سختی کے ساتھ باز پرس، مذہبی پابندی کے لیے تنبیہ و تعزیر، اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے اس لیے انھوں نے جو کچھ کیا وہ منصبِ خلافت کی حیثیت سے ان پر واجب تھا، ورنہ ان کا دل لطف و محبت کے شریفانہ جذبات سے خالی نہ تھا، بلکہ وہ جس قدر مذہبی اور انتظامی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے، ہمدردی کے موقعوں پر اس سے زیادہ لطف و رحم کا برتاؤ کرتے تھے خدا کی ذی عقل مخلوق میں غلاموں سے زیادہ قابلِ رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ تمام عربی غلاموں کو آزاد کر دیا[1]۔ اور یہ قانون بنا دیا کہ اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، کنز العمال میں بہ تصریح ان کا قول مذکور ہے کہ لا تسترق عربی یعنی عربی غلام نہیں ہو سکتا۔ عام غلاموں کا آزاد کرانا بہت مشکل تھا، تاہم ان کے حق میں بہت سی مراعات قائم کیں مجاہدین کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو آقا کے ساتھ اسی قدر ان کے غلام کی تنخواہ مقرر ہوئی[2]۔ اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے۔ ایک شخص نے دعوت کی تو محض اس وجہ سے برافروختہ ہو کر اٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلام کو نہیں بٹھایا تھا۔ آپ اکثر حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھلانا عار سمجھتے ہیں خدا ان پر لعنت بھیجتا ہے۔ غلاموں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے[3]۔

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اس وقت حضرت عمرؓ کی بے قراری قابل دید تھی، دور دراز ممالک سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا۔ گوشت، گھی اور دوسری مرغوب غذائیں ترک کر دیں۔ اپنے لڑکے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھ کر خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے، اور تو تفکہات سے لطف اٹھاتا ہے۔ غرض جب تک قحط رہا۔ حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب رکھا۔[4]

عراق عجم کے معرکہ میں نعمان بن مقرن اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت عمرؓ پر ان کی شہادت کا اتنا اثر تھا کہ زار و قطار روتے تھے۔ مال غنیمت آیا تو غصہ سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہداء کے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ تم نے انتظامات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جگہ لنگر خانے، مسافر خانے اور یتیم خانے بنوائے تھے، غربا، مساکین اور مجبور و لاچار آدمیوں کے روزینے مقرر کر دیئے

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۸ [2] فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمرؓ بن الخطاب [3] کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۶
[4] ایضاً جلد ۶ وقائع الرمادہ ص ۳۴۳۔۔

تھے. کیا یہ تمام امور لطف و ترحم کے دائرہ سے باہر ہیں؟

حضرت عمرؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف کا سلوک کیا، آج مسلمان مسلمان سے نہیں کرتے، زندگی کے آخری لمحے تک، ذمیوں کا خیال رہا، وفات کے وقت وصیت میں ذمیوں کے حقوق پر خاص زور دیا.[۱]

عفو اس لطف و ترحم کی بنا پر حضرت عمرؓ عفو اور درگزر سے بھی کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ حر بن قیس اور عیینہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے، عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضبناک ہوئے۔ حر بن قیس نے کہا امیرالمومنین قرآن مجید میں آیا ہے۔ خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلين - یہ شخص جاہل ہے اس کی بات کا خیال نہ کیجئے۔ اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔[۲]

رفاہ عام حضرت عمرؓ نے فریضہ خلافت کی حیثیت سے رفاہ عام اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے جو کام کیے - اس کی تفصیل گزر چکی ہے. ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لیے وقف تھا. ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے، اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لا دیتے، مقام جنگ سے قاصد آتا تو اہل فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے،

اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے، اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے، راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام صرار پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، عورت نے کہا، بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں. میں نے ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے. حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ آئے، اور آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے چلے - حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں - فرمایا ہاں! قیامت میں تم میرا بار نہیں اٹھاؤ گے اور خود ہی سب سامان لیکر عورت کے پاس گئے، اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا، حضرت عمرؓ نے خود چولہا پھونکا، کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے[۳]،

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو ساتھ لیا اور کہا مجھ کو ان کے متعلق مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے، چلو ہم دونوں چل کر پہرہ دیں چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے[۴]

---

[۱] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ [۲] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۴۔
[۳] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۲ [۴] ایضاً ص ۳۴۳۷۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھر آئے، اور اپنی بی بی ام کلثومؓ کو ساتھ لے کر بدو کے خیمہ میں گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثومؓ نے پکار کر کہا اے امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے بدو امیر المومنین کا لفظ سنکر چونک پڑا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا بچہ کی تنخواہ مقرر کردوں گا۔[1]

حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیات میں بھی مجبور، بیکس اور اپاہج آدمیوں کی خدمت گزاری کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمت گزاری کے ممنون تھے، خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے؟ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصباح امیر المومنین کو ایک جھونپڑے میں جاتے دیکھا خیال ہوا کہ یہاں فاروق اعظمؓ کا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہے، اور وہ روز اس کی خبر گیری کے لیے جایا کرتے ہیں۔

خدا کی راہ میں دنیا حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولت مند نہ تھے تاہم انھوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا وہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہؓ نے ضروریاتِ جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے مال و اسباب میں سے آدھا لے کر پیش کیا۔[2]

یہودبنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی، اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا، اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین سیر حاصل قطعۂ اراضی ملا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعۂ زمین ملا ہے جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائداد نہیں ہے، آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا وقف کردو، چنانچہ حسبِ ارشادِ نبوی فقراء، اعزہ، مسافر غلام اور جہاد کے لیے وقف کر دیا۔[3]

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دستِ سوال دراز کیا حضرت عمرؓ متاثر ہو کر بہت روئے اور کرتہ اتار کر دے دیا۔

مساوات کا خیال عہد فاروقی میں شاہ و گدا، امیر و غریب، مفلس و مالدار سب ایک حال میں نظر آتے تھے عمال کو تاکیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز و نمود اختیار نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی مساوات اپنا خاص شعار بنایا تھا، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی، تعظیم و تکریم کو

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳ [2] ترمذی فضائل ابی بکرؓ [3] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف۔

دل سے ناپسند کرتے تھے، ایک دفعہ کسی نے کہا "میں آپ پر قربان" فرمایا ایسا نہ کہا کرو، اس سے تمہارا نفس ذلیل ہو جائے گا اسی طرح زید بن ثابت قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انھوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی حضرت عمرؓ نے کہا "تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی ناانصافی کی" یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ ؎۱

آپ کا مقولہ تھا کہ "میں اگر عیش و تنعم کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت و افلاس میں رہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا" سفر شام میں نفیس و لذیذ کھانے پیش کیے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ الوانِ نعمت میسّر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لیے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا تو پھر مجھے بھی اس کی حاجت نہیں؟

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظمؓ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پہ بیٹھا ہوا تھا، لیکن مساوات کا یہ حال تھا کہ قیصر و کسریٰ کے سفرا آتے تھے تو انھیں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے درحقیقت حضرت عمرؓ نے خود نمونہ بن کر مسلمانوں کو مساوات کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم و محکوم اور آقا و غلام کے سارے امتیازات اٹھ گئے تھے۔

غیرت حضرت عمرؓ بالطبع غیور واقع ہوئے تھے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی غیرت کا پاس و لحاظ کرتے تھے۔ صحیح مسلم، ترمذی اور صحاح کی تقریباً سب کتابوں میں باختلاف الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایک عالیشان قصر ملاحظہ فرمایا جو فاروق اعظمؓ کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے اندر صرف اس وجہ سے تشریف نہیں لے گئے کہ آپ کو ان کی غیرت کا حال معلوم تھا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر فرمایا تو وہ رو کر کہنے لگے، بابی انت و امی اعلیک اغار یعنی میرے باپ ماں فدا ہوں کیا میں حضورؐ کے مقابلہ میں غیرت کروں گا ؎۲

آیتِ حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا، یہاں تک کہ خود ازواج مطہرات پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی۔ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے ملتجی ہوئے کہ آپؐ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں، اس خواہش کے بعد ہی آیت حجاب نازل ہوئی۔

آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمان عورتیں حماموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔"

؎۱ کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۴ ؎۲ بخاری مناقب عمرؓ

خانگی زندگی حضرت عمرؓ کو اولاد و ازواج سے محبت تھی، مگر اس قدر نہیں کہ خالق و مخلوق کے تعلقات میں فتنہ ثابت ہو۔ اہلِ خاندان سے بھی زیادہ شغف نہ تھا، البتہ زیدؓ سے جو حقیقی بھائی تھے، نہایت الفت رکھتے تھے۔ جب وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوگئے تو نہایت قلق ہوا، فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے، تو مجھکو زیدؓ کی خوشبو آتی ہے[1] زیدؓ نے اسما نامی ایک لڑکی چھوڑی تھی، اسکو بہت پیار کرتے تھے۔

مکہ سے ہجرت کرکے آئے تو مدینہ سے دو میل پر عوالی میں رہتے تھے، لیکن خلافت کے بعد خاص مدینہ مسجد نبوی کے متصل سکونت اختیار کی، چونکہ وفات کے وقت وصیت کردی تھی کہ مکان بیچ کر قرض ادا کیا جائے اس لیے یہ مکان فروخت کردیا گیا اور عرصہ دراز تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔

حصولِ معاش کا اعلیٰ ذریعہ تجارت تھا۔ مدینہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کی تھی، لیکن خلافت کے بار گراں نے انھیں ذاتی مشاغل سے روک دیا، تو ان کی عسرت کو دیکھ کر صحابہؓ نے اس قدر تنخواہ مقرر کردی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو، ۱۵ھ میں لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے، تو حضرت عمرؓ کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا[2]۔

غذا نہایت سادہ تھی، یعنی صرف روٹی اور روغنِ زیتون پر گزارہ تھا۔ کبھی کبھی گوشت دودھ، ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا۔ لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا۔ بیشتر صرف قمیص پہنتے تھے۔ اکثر عمامہ باندھتے تھے، جوتی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی۔

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گوں، سر چندلا۔ رخسارے کم گوشت، داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی بڑی قد نہایت طویل، یہاں تک کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سربلند نظر آئیں۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ زید بن خطاب۔ [2] یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ تمام بدری صحابیوں کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا دیکھو فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافۃ عمرؓ بن الخطاب۔

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ذو النورین

نام ونسب، خاندان عثمان نام، ابو عبد اللہ اور ابو عمر کنیت، ذو النورین لقب، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی تھا۔ والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔ والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے۔ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی نانی بیضاء ام الحکیم حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، اس لیے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں [1] آپ کو ذو النورین (دو نوروں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمانؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت واقتدار رکھتا تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھے۔ خلفائے بنو امیہ اسی امیہ بن عبد شمس کی طرف سے منسوب ہو کر "امویین" کے نام سے مشہور ہیں۔ عقاب یعنی قریش کا قومی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا جنگ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور، اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اموی تھا۔ اسی طرح ابو سفیان بن حرب جنھوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے۔ غرض حضرت عثمانؓ کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے سوا دوسرا خاندان اس کا ہمسر نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبویؐ سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے، بچپن اور سن رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ عہدِ شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے۔ اور اپنی صداقت

---

[1] فتح الباری کتاب المناقب۔

دیانت اور راستبازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

قبول اسلام حضرت عثمانؓ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی، گو ملکی رسم ورواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ آواز نامانوس تھی تاہم وہ اپنی نظری عفت، پارسائی، دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعیِ حق کو لبیک کہنے کے لیے بالکل تیار تھے

حضرت ابوبکرؓ صدیق ایمان لائے تو انھوں نے دین مبین کی تبلیغ واشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا، اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین وہدایت کا کام شروع کیا۔ ایام جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے ارتباط تھا، اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی، ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا "عثمان! خدا کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں" حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبانِ نبوت کے ان سادہ وصاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ میں بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھنے لگا، اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا لہ۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اموی خاندان سے تھا جو بنو ہاشم کا حریف تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو اس لیے خوف وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقہ سے عرب کی سیادت کی باگ بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو ہاشم کے دستِ اقتدار میں چلی جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن معیط اور ابوسفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے لیکن حضرت عثمانؓ کا آئینۂ دل خاندانی تعصب کے گرد وغبار سے پاک تھا۔ اس لیے اس قسم کی کوئی پیش بینی ان کی صفائے باطن کو مکدر نہ کر سکی۔ انھوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا جبکہ صرف پینتیس یا چھتیس زن ومرد اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔

شادی قبولِ اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتابِ منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا۔ آپ کی منجھلی صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح

لہ اصابہ جلد ۸ تذکرۂ سعدی بنت کریز۔

پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا، مگر اسلام کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عداوت ہوگئی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوادی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادی ممدوحہ کا دوسرا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کی اس شادی کے متعلق بعض لغو اور بیہودہ روایتیں کتابوں میں ہیں، مگر وہ تمام تر جھوٹی اور جعلی ہیں، اور محدثین نے موضوعات میں ان کا شمار کیا ہے۔

حبشہ کی ہجرت مکہ میں اسلام کی روزافزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلاکشانِ اسلام کی طرح جفاکاروں کے ظلم و ستم کے نشانہ تھے۔ ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا، اعزہ و اقارب نے سرد مہری شروع کی، اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفاکاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی، اور بالآخر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہوگئے چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلاوطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا، اس لیے پریشانِ خاطر تھے۔ ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ اتنا معلوم ہونے کے بعد آپؐ نے فرمایا:۔

ان عثمان اول من هاجر	یعنی اس میری امت میں عثمانؓ پہلا شخص ہے
باهله من هذه الامة	جو اپنے اہل و عیال کو لے کر جلاوطن ہوا۔

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے، اس کے بعد جب بعض اور صحابہ قریش کے اسلام کی غلط خبر پاکر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آگئے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔

مدینہ کی طرف اسی اثنا میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہوگیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اصحابؓ کو مدینہ کی ہجرت کا ایما فرمایا، تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے، اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے، اور آپ نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کردی۔ اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہوگئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسانؓ بن ثابت تمام عمر سوگوار رہے، اور ان کا

---

[1] اصابہ جلد ۸ تذکرۂ سعدی بنت کریز [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۸۔ [3] اصابہ جلد ۸ تذکرۂ رقیہؓ

نہایت پُر درد مرثیہ لکھا۔

بیر رومہ کی خریداری مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ تمام شہر میں صرف بیر رومہ ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا۔ لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لیے اس کنویں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا۔ سعی بلیغ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا۔ اور شرط یہ قرار پائی، کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی، اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی، اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس طرح اسلام میں حضرت عثمانؓ کے فیضِ کرم کا یہ پہلا ترشح تھا جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

سے طبقات قسم اول جزو ۳ ص ۳۸ سے استیعاب جلد ۲ ص ۴۸۸

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کو سکون واطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا، اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف و ہراساں ہو کر تیر و تفنگ اور تیغ و سناں کی قوت سے اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے چنانچہ ۲ھ سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا حضرت عثمانؓ اگرچہ فطرۃً سپاہیانہ کاموں کے لیے جاں نثاری و فداکاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوۂ بدر اور حضرت رقیہؓ کی علالت کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ہوئی حضرت عثمانؓ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے پر مجبور رہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئی تھیں، اس لیے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا، اور فرمایا تم کو شرکت کا اجر اور مالِ غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا۔[1] اور خود تین سو تیرہ قدوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت رقیہؓ کا یہ مرض درحقیقت پیامِ موت تھا، غمگسار شوہر کی جانفشانی و تندہی سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن قضائے الٰہی کو کیونکر رد کرتی، مرض روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ کی غیر حاضری ہی میں چند روز بعد وفات پاگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اس ملکۂ جنت کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے کہ نعرۂ تکبیر کی صدا آئی، دیکھا تو حضرت زیدؓ بن حارثہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ پر سوار فتح بدر کا مژدہ لے کر آ رہے ہیں۔ محبوب بیوی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اس حادثہ کے بعد حضرت عثمانؓ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے، کچھ اسلام کی پہلی امتحان گاہ (بدر) سے محرومی کا بھی افسوس تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہمدردی کے طور پر کہا کہ جو ہونا تھا ہو گیا، اب اس قدر رنج و غم سے کیا فائدہ؟ حضرت عثمانؓ نے کہا افسوس! میں جس قدر اپنی محرومئ قسمت پہ ماتم کروں کم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی، افسوس کہ میرا رشتہ خاندانِ رسالت سے ٹوٹ گیا۔[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی فرمائی اور چونکہ ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۹۔

نے اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا تھا، جس کے باعث وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لئے آپؐ نے اُن کو بھی مجاہد قرار دیا اور بدر کے مالِ غنیمت میں سے ایک مجاہد کے برابر حصہ ان کو عنایت فرمایا اور بشارت دی کہ وہ اجر و ثواب میں بھی کسی سے کم نہیں رہیں گے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے انکا نکاح کر دیا، اور خاندانِ رسالت سے دوبارہ انکا تعلق قائم ہو گیا۔

غزوۂ بدر کے بعد اور جس قدر معرکے پیش آئے، سب میں عثمانؓ پامردی، استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور ہر موقع پر اپنی اصابت رائے اور جوش و ثبات کے باعث آپؐ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

غزوۂ احد | شوال ۳ھ میں جب غزوۂ احد پیش آیا تو پہلے غازیانِ دین نے غنیم کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیا، لیکن وہ مسلمان تیرانداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا۔ پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا مسلمان اس سے غافل تھے، اسی لیے اس ناگہانی حملے کو روک نہ سکے اور بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے۔ اسی اثناء میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس افواہ نے جان نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے، سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھا وہیں متحیر ہو کر رہ گیا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔

جنگ احد میں صحابہؓ کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاق سانحہ تھا جو مسلمان تیراندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا، تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا، خصوصاً حضرت عثمانؓ نہایت پریشان تھے، لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی، اس لیے خدائے پاک نے وحی کے ذریعہ سے عفو عام کی بشارت دے دی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى	اور تم سے وہ لوگ جنھوں نے جنگ کے موقع پر پشت
الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ	دکھادی حقیقت میں شیطان نے انکے بعض اعمال
بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ	کے بدلے میں پھسلا دیا، اللہ نے ان کو معاف کر دیا اور
عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ	بیشک خدا بڑا علم والا اور آمرزگار ہے

دیگر غزوات | غزوۂ احد کے بعد ۵ھ میں غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مہم میں تشریف لے گئے تو حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا[1]۔

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۹۔

پھر بنونضیر کی جلاوطنی عمل میں آئی۔ اس کے بعد ۵ھ میں غزوۂ خندق کا معرکہ پیش آیا حضرت عثمانؓ ان تمام مہمات میں شریک تھے۔ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ کعبہ کا قصد فرمایا حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادۂ پرخاش ہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لڑنا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

سفارت کی خدمات یہ مکے پہنچے تو کفارِ قریش نے ان کو روک لیا، اور سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں، جب کئی دن گزر گئے اور حضرت عثمانؓ کا کچھ حال نہیں ہوا تو مسلمانوں کو سخت تردد ہوا، اسی حالت میں افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے لیے صحابہؓ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی، اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنے دستِ مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ یہ حضرت عثمان کے تاجِ فخر کا وہ طرۂ شرف ہے جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا، کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعتِ رضوان نہیں کی، آپ نے جواب دیا کہ ہاں عثمانؓ اس وقت موجود نہ تھے، مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں[1] لیکن درحقیقت یہ بیعت تو حضرت عثمانؓ ہی کے خون کے انتقام کے لیے منعقد ہوئی تھی، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے۔

آخر میں مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہو کر مصالحت کر لی، اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فدائیوں کے ساتھ مدینہ واپس چلے آئے۔

۷ھ میں معرکۂ خیبر پیش آیا، پھر ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، اسی سال ہوازن کی جنگ جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے ہوئی حضرت عثمانؓ ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔

غزوۂ تبوک اور تجہیز جیش عسرہ ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس کا تدارک ضروری تھا، لیکن یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تشویش ہوئی اور صحابہؓ کو جنگی سامان کے لیے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی، اکثر لوگوں

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۶، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعزاز عطا فرمانے کا ذکر بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان میں بھی ہے، اور واقعات کی تفصیلات بخاری کتاب الشروط ما المصالحۃ مع اہل الحرب میں ہے

نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عثمانؓ ایک متمول تاجر تھے۔ اس زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اس لیے انھوں نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا اپنے ذمہ لیے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے۔ اس بنا پر گویا حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کے لیے سامان مہیا کیا، اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک ان کے روپیے سے خریدا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ ستر گھوڑے اور سامانِ رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرفیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے۔ [1]

ماضر عثمان ما عمل بعد ھذا الیوم یعنی آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی کام اسکو نقصان نہیں پہنچائیگا۔

سنہ ۱۰ھ میں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے حضرت عثمانؓ بھی ہمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کی ابتدا میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوئے، اور بارہویں ربیع الاول دوشنبہ کے دن رہگزین عالم جاوداں ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ خلافت صدیقی میں حضرت عثمانؓ مجلس شوریٰ کے ایک معتمد رکن تھے۔ سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت فاروق اعظمؓ مسند آرائے خلافت ہوئے حضرت عمرؓ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دورانِ کتابت میں کسی خلیفہ کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابوبکرؓ پر غشی طاری ہوگئی، حضرت عثمان نے اپنی عقل وفراست سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا؟ انھوں نے سنانا شروع کیا، اور جب حضرت عمرؓ کا نام آیا تو حضرت ابوبکرؓ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھے، اور حضرت عثمانؓ کی اس فہم وفراست کی بہت تعریف وتوصیف کی۔ [2]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۲ وترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ
[2] ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرۂ ابوبکرؓ

تقریباً دس برس خلافت کے بعد ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے بھی سفر آخرت اختیار کیا، مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدۂ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے، علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، اور تاکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہیے [1]۔

فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا، آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے، لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو، اس کا نام لے۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی نسبت رائے دی حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نام لیا حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمان کو پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا میں اپنے حق سے باز آتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے، اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سنتِ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ اس کے بعد علیحدہ علیحدہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں، اس پر ان دونوں کی رضامندی لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور تمام صحابۂ کرامؓ مسجد میں جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک مختصر لیکن مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا حضرت علیؓ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے [2] غرض چوتھی محرم ۲۴ھ دوشنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاقِ عام کے ساتھ مسندنشینِ خلافت ہوئے، اور دنیائے اسلام کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

[1] ابن سعد تذکرۂ عثمان [2] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۴۲، ۴۳، ۴۴

خلافت اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا نیز ملکی نظم و نسق اور طریقۂ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کے لیے میدان صاف تھا۔ انھوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی و ملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا، اور ایک سال تک قدیم نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا البتہ خلیفۂ سابق کی وصیت کے مطابق سعدؓ بن ابی وقاص کو مغیرہؓ بن شعبہ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔ [1] اور یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

سنہ ۲۴ھ میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آئے۔ یعنی آذربیجان اور آرمینیہ پر فوج کشی ہوئی، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا تھا، اسی طرح رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبر سن کر حضرت عثمانؓ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہؓ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مدد کے لیے شام روانہ کیا۔

عہد فاروقی میں مصر کے والی عمروؓ بن العاص تھے، اور تھوڑا سا علاقہ جو صعید کے نام سے مشہور ہے عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا۔ مصر کے خراج کی جو رقم دربار خلافت کو بھیجی جاتی تھی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق شکایت چلی آتی تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمروؓ بن العاص نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا۔ مصریوں پر عمروؓ بن العاص کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اس لیے ان کی برطرفی سے ان کے دلوں میں مصر پر دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا۔ سنہ ۲۵ھ میں ان کی شہ پا کر اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے عمروؓ بن العاص ہی کو متعین کیا، انھوں نے حسنِ تدبیر سے اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمروؓ بن العاص کے پاس رہے، اور مال و خراج کے صیغے عبداللہؓ بن ابی سرح کے سپرد رہیں، مگر عمروؓ بن العاص نے اسے منظور نہ کیا۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمروؓ بن العاص نے باغیوں

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۱۔

کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنا ڈالا تھا حضرت عثمانؓ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے، ان کو آزاد کرادیا[1] اس کے بعد بھی دو برس تک عمروؓ بن العاص مصر کے مال وخراج کے افسر رہے۔

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح نے دربارِ خلافت کے حکم سے طرابلس (طرابولی) کی مہم کا انتظام کیا، امیر معاویہؓ نے ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب کے دو رومی قلعے فتح کرلیے۔

۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی معزولی ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے بیت المال سے ایک بڑی رقم قرض لی تھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو سعدؓ نے ناداری کا عذر کیا، اور یہ قضیہ دربارِ خلافت تک پہنچا۔ بیت المال میں اس قسم کا تصرف دیانت کے خلاف تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ حضرت سعدؓ بن وقاص پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کرکے ولیدؓ بن عقبہ کو والیِ کوفہ مقرر کیا، عبداللہ بن مسعود پر بھی خفگی ظاہر کی، لیکن چونکہ ان کی غلطی صرف بے احتیاطی تھی، اس لیے ان کو ان کے عہدہ سے نہیں ہٹایا۔

۲۷ھ میں مصر کی دوعملی میں اختلاف شروع ہوا، اور عبداللہ بن ابی سرحؓ اور عمروؓ بن العاص نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے افسر تھے۔ دربارِ خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کرکے عمرو بن العاص کو معزول کردیا، اور عبداللہؓ ابن ابی سرح کو مصر کے تمام صیغوں کا تنہا حاکم بنادیا۔ عمرو بن العاص اس فیصلہ سے نہایت کبیدہ ہوئے اور مدینہ چلے گئے۔ عمروؓ بن العاص کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا۔ عبداللہ ابن ابی سرح نے کوشش کرکے چالیس لاکھ کردیا۔ حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا، دیکھو! آخر اونٹنی نے دودھ دیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ "ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔"

فتح طرابلس مہم طرابلس کا اہتمام تو ۲۵ھ ہی میں ہوا تھا، لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۷ھ میں ہوئی عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر افسرِ عام تھے۔ حضرت عثمانؓ نے دارالخلافت سے بھی ایک لشکرِ جرار کمک کے لیے روانہ کیا جن میں عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں اسلامی فوجیں مدت تک طرابلس کے میدان میں معرکہ آرا رہیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کی شجاعت

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹۔ [2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۸

جان بازی اور ثبات واستقلال کے آگے اہل طرابلس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عبداللہ بن ابی سرح نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ملک میں پھیلا دیئے۔ طرابلس کے امراء نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس آکر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی [1]۔

فتح افریقیہ افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے۔ یہ ممالک ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے، اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور یہ علاقے بھی ممالک محروسہ میں شامل ہوئے [3]۔

اسپین پر حملہ افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا چنانچہ ۲۷ھ میں حضرت عثمانؓ نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبوں کو اس مہم کے لیے نامزد کیا جنھوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، لیکن پھر مستقل مہم رک دی گئی، اور عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے، اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس افریقیہ کے حاکم مقرر کیے گئے۔

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام دیا جائے گا، اس لیے عبداللہ نے اس وعدہ کے مطابق اپنا حصہ لے لیا، لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے عبداللہ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کرادیا، اور فرمایا کہ میں نے بیشک وعدہ کیا تھا، لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ [2] اس لیے مجبوری ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ افریقیہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا، جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا گیا تھا۔ ابن اثیر نے ان دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ ابن ابی سرح کو افریقیہ کے پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا تھا، اور مروان کے ہاتھ پورے افریقیہ کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا۔

فتح قبرص قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں۔ بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے، اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے، اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہوسکتی تھی، اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہوسکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو، اس لیے امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی، مگر

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۸ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۹ [3] فتوح البلدان ص ۲۳۵ [4] طبری ص ۲۸۱۵

حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لیے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے، اس قدر خوفناک نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔ اس اجازت کے بعد عبداللہ بن قیس حارثی کی زیرِ قیادت اسلامی بحری بیڑا قبرص پر حملہ کے لیے روانہ ہوا، اور صحیح و سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا۔ عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے، لیکن سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا، اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی۔

(۱) اہل قبرص ۷۰۰۰ دنیار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

(۳) بحری جنگوں میں اہلِ قبرص مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی انکو اطلاع دیا کریں گے[۱]۔

اہلِ قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے، لیکن ۳۳ھ میں انھوں نے اس کے خلاف رومی جہازوں کی مدد کی، اس لیے امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا[۲] اور منادی کر دی کہ آئندہ سے یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔

والی بصرہ کی معزولی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا، لیکن یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا انکی شکایتیں پہنچیں، مگر فاروقی رعب و داب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو آزادی کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا۔ اسی اثناء میں کردوں نے بغاوت کر دی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مسجد میں جہاد کا وعظ کہا، اور اس راہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۴-۷۵ [۲] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۷

چنانچہ صبح کے وقت دارالامارۃ کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا حضرت ابو موسیٰؓ اس شان سے نکلے کہ ایک ترکی نسل کے گھوڑے پر سوار تھے، اور چالیس خچروں پر اسباب و سامان بار تھا، لوگوں نے بڑھ کر باگ پکڑلی، اور کہا، "قول و فعل میں یہ اختلاف کیسا! دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو، اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے؟" حضرت ابو موسیٰؓ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے، اور اسی وقت ایک جماعت شکایت لے کر مدینہ پہنچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ۲۹ھ میں ان کو معزول کر دیا، اور عبداللہ بن عامرؓ کو اس منصب پر مامور کیا ۔[۱]

فتح طبرستان | ۳۰ھ میں عبداللہ بن عامرؓ بصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاص نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رُخ کیا۔ سعید بن عاص کے ساتھ امام حسنؓ امام حسینؓ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن زبیرؓ جیسے اکابر شریک تھے۔ ان لوگوں نے پیشقدمی کر کے عبداللہ بن عامرؓ کے پہنچنے سے پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا[۲] اسی اثناء میں ولید بن عقبہ والی کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی۔ اور ان پر شراب خوری کا الزام لگایا گیا۔ یہ الزام ایسا تھا کہ حضرت عثمانؓ کو انھیں معزول کرنا پڑا، اور ان کی جگہ سعید بن عاصؓ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

عبداللہ بن عامرؓ نے اپنی مہم کو جاری رکھا، اور ہرات، کابل اور سجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رُخ کیا۔ بست، اشبندورح، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رُخ کیا۔ اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔

عبداللہ بن عامرؓ نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن حازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود ماوراء النہر کی طرف بڑھے۔ سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی، اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی، اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے عبداللہ بن عامرؓ نے صلح کر لی، اور قیس بن الہیثم کو اپنا قائم مقام بنا کر خود اسباب و سامان کیساتھ دارالخلافہ کا رُخ کیا۔

ایک عظیم الشان بحری جنگ | ۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے، سواحل شام پر حملہ کے لیے بھیجا۔ مورخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے مدافعت کے لیے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پہ دونوں آپس میں مل گئے۔ دوسری

صبح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ بے شمار رومی مارے گئے، مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے، لیکن ان کے استقلال وشجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے، اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی، خود قسطنطین اس معرکہ میں زخمی ہوا۔ اور اسلامی بیڑہ مظفر ومنصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا[1]۔

متفرق فتوحات | قبرص، طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں۔ ۳۱ھ میں حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کرکے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا[2]۔

۳۲ھ میں امیر معاویہؓ تنگنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔ ۳۲ھ میں عبداللہ ابن عامرؓ نے مرورود، طالقان، فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے ارضِ روم میں حصن المرأۃ پر حملہ کیا۔ اسی سال اہلِ خراسان نے بغاوت کی، عبداللہؓ بن عامر والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کرایا۔ اسی طرح ۳۴ھ میں اہلِ طرابلس نے نقضِ امن کیا، عبداللہؓ بن ابی سرح نے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ چڑھائی کر کے انھیں تابو میں کیا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱ [2] ایضاً۔

انقلاب کی کوشش

اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کے دوازدہ سالہ خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن وامان سے گزرے فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، زراعت اور صنعت وتجارت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم ونسق نے تمام ملک میں تمول، فارغ البالی اور عیش وتنعم کو عام کر دیا۔ یہاں تک کہ بعض متقشف صحابہؓ ایام نبوت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کرکے اس زمانہ کی ثروت اور سامان تعیش کو دیکھ کر حد درجہ غمگین تھے کہ اب مسلمانوں کے اس دنیاوی رشک وحسد کا وقت آگیا جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا۔ علانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے ناجائز ہے۔ شام کا ملک جس کے حاکم امیر معاویہؓ تھے، اور جو صدیوں تک رومی تعیش وتکلفات کا گہوارہ رہ چکا تھا، وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ برملا ان امراء اور دولتمندوں کے خلاف وعظ کہتے تھے، جس سے نظام حکومت میں خلل پڑتا تھا، اس لیے امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلوا لیا، مگر اب مدینہ بھی وہ اگلا مدینہ نہ رہا تھا۔ بیرونی لوگوں کے بڑے بڑے محل تیار ہو چکے تھے۔ اس لیے حضرت ابوذرؓ نے یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر ربذہ نام کے گاؤں میں اقامت اختیار کی۔

حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں جو فتنہ وفساد برپا ہوا، اس کی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ دولتمندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کر دیئے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں، اور بالآخر ان کے ضعف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا مجھے تمہارے فقر وفاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری دنیاوی دولت ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں" تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر

فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے جس سے بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے۔ قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ وفساد کی پیدائش کے بعض اور اسباب بھی تھے۔

(۱) - سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہ راست مستفیض ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی، جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبرسنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی۔ یہ نوجوان زہد وا تقاء، عدل وانصاف، حق پسند و راست بازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے۔ اس بنا پر رعایا کیلئے ویسے فرشتۂ رحمت ثابت نہ ہوئے، جیسے انکے اسلاف تھے

(۲) - حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت وخلافت کیلئے قریش کا خاندان مخصوص ہو گیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر ان ہی کو ملتے تھے۔ نوجوان قریشی اس کو اپنا موروثی حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے۔ عام عرب قبائل کا دعوٰی تھا کہ میں ملک کی فتوحات میں ہماری تلواروں کی بھی کمائی ہے۔ اس لیے وظائف منصب اور عہدوں قریش اور ہم میں مساوات چاہیئے۔

(۳) - اس وقت کابل سے لیکر مراکش تک اسلام کے زیر نگیں تھا جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں۔ ان محکوم قوموں کے دلوں میں قدرتاً مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا۔ لیکن ان کی قوت کے مقابل میں بے بس تھے۔ اسلئے انھوں نے سازشوں کا جال پھیلایا جن میں سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے۔

(۴) - حضرت عثمانؓ فطرۃً نیک ذی مروت اور نرم خو تھے، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے اکثر جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے، اس سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے۔

(۵) - حضرت عثمانؓ اموی تھے، اس لیے فطرۃً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے، اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے، اور اپنے ذاتی مال سے ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ شریر لوگوں نے اسکو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے انکے ساتھ داد و دہش کرتے ہیں

(۶) ہر امام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں اسلام کی دوسری نسل میں جو اب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جو اوّل الذکر میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ نظام خلافت کے قیام

واستحکام کے لیے بنی امیّہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

(۷)۔ مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لیے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

(۸)۔ غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں، ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں۔

ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ و انقلاب کے حقیقی اسباب یہی تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔ مثلاً۔

(۱)۔ بنو ہاشم بنو امیہ کے عروج و ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے، اور خلافت کے مناصب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے۔

(۲)۔ عام عرب قبائل مناصب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے، اس لیے وہ قریشی افسروں کے غرور و تمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

(۳)۔ مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان میں منتقل ہو جس سے وہ بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام عربوں کے مقابلہ میں ان کا استحقاق کم نہ سمجھا جائے۔

(۴)۔ یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے کہ انکی قوت پاش پاش ہو جائے۔

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کے لیے کوشش میں مصروف تھی۔ اس لیے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں، عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں، خود امیر المومنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دبانا چاہا، لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی جس کا بجھانا آسان نہ تھا۔ فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا، یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہو گئی، جس کا مقصد فتنہ فساد تھا۔

کوفہ کی انقلاب پسند جماعتوں میں اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، صعصعہ ابن الکوا، کمیل اور عمیر بن ضابی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1] ان لوگوں کا خیال

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۸

تھا کہ امارت وریاست قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ عام مسلمانوں نے ممالک فتح کیے ہیں، اس لیے وہ سب اس کے مستحق ہیں۔ سعید بن عاص والی کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر عداوت تھی۔ ان کو بدنام کرنے کے لئے روز ایک نئی تدبیر اختراع کی جاتی تھی، اور قریش کے خلاف ملک کو تیار کرنے کے لیے طرح طرح کے وسائل کام میں لائے جاتے ہیں۔ اشرافِ کوفہ نے ان مفسدہ پردازوں سے تنگ آکر امیر المومنین سے التجا کی کہ خدا کے لیے جلد ان فتنہ پرور اشخاص سے کوفہ کو نجات دلائیے حضرت عثمانؓ نے تقریباً دس آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرگروہ تھے شام کی طرف جلا وطن کر دیا[1]۔ اسی طرح بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہو گئی تھی، حضرت عثمانؓ نے یہاں سے بھی کچھ آدمیوں کو ملک بدر کرایا۔ لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی، کہ یہ معمولی چھینٹے اس کو بجھا نہ سکے۔ بلکہ یہ انتقالِ مکانی اور بھی ان خیالات کی اشاعت کا سبب بن گئے، اور پہلے جو آگ ایک جگہ سلگ رہی تھی وہ سارے ملک میں پھیل گئی۔

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے، چنانچہ ایک یہودی النسل نومسلم عبداللہ بن سبا نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا، اور اس کو زیادہ موثر بنانے کے لیے اس نے مذہب میں عجیب وغریب عقائد اختراع کیے، اور خفیہ طور پر ہر ملک میں اسکی اشاعت کی، موجودہ شیعی فرقہ دراصل انہی عقائد پر قائم ہوا۔

مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی، اور ان میں سے ہر ایک کا مطمح نظر مختلف تھا، اور آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہلِ مصر حضرت علیؓ کے عقیدت کیش تھے۔ اہلِ بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے اہلِ کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے۔ اہلِ عراق کی جماعت تمام قریش سے عداوت رکھتی تھی، اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کے خلاف تھی، لیکن امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے۔ عبداللہ بن سبا نے حکمت عملی سے ان اختلافات سے قطع نظر کر کے سب کو ایک مقصد یعنی حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر متحد کر دیا، اور تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیئے تاکہ ہر جگہ فتنہ کی آگ بھڑکا کر بدامنی پیدا کر دی جائے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے داعیوں کو حسبِ ذیل طریقوں پر عمل کی ہدایت کی۔

---

[1] ایضاً ص ۱۱۳۔

(۱) بظاہر متقی و پرہیز گار بننا، اور لوگوں کو وعظ و پند سے اپنا معتقد بنانا۔

(۲) عمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔

(۳) ہر جگہ امیر المومنین کی کنبہ پروری اور ناانصافی کی داستان مشتہر کرنا۔

ان طریقوں پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام قائم کیا گیا، اور حد بھی جاری کی گئی، جو درحقیقت ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی بھی جس کا ذکر آئندہ آئے گا، ان ہی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔

۳۱ھ میں جب کہ قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ اسلامی سواحل پر حملہ کیا، اور مسلمانوں بڑے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے، اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہیں آئے، اور محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مفسدین کے تزویر میں پھنس چکے تھے اسلامی بیڑے کے امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح کو ہر طرح دق کیا۔ نماز میں بے موقع تکبیریں بلند کرکے برہمی پیدا کرتے عبداللہ بن سعد کی علانیہ مذمت کرتے اور مجاہدین سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے جا رہے ہو حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ میں کیا ضرورت ہے؟ تو وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ اس ظالم کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اس نے سنت شیخین کو چھوڑ دیا ہے، کبار صحابہؓ کو معزول کرکے اپنے اعزہ و اقارب کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا ہے" غرض ہر طرح کی فریب کاریوں سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی اسلامی بیڑا رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکرؓ نے ایک کشتی پر سوار ہو کر بیڑے کا تعاقب کیا، اور جہاں لنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لے جا کر اپنے خیالات کی اشاعت کرتے مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دے کر مظفر و منصور واپس آئے تو چند آدمیوں نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہ کو جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ملامت کی، انھوں نے کہا کہ ہم اس جہاد میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں جس کا انتظام عثمانؓ کے ایماء سے ہوا ہو، اور جس کا امیر عبداللہ ابن سعد ہو۔ اس کے بعد حسب معمول حضرت عثمانؓ کے معائب اور برائیوں کی طویل داستان شروع کر دی[1]۔ عبداللہ بن سعد نے جب دیکھا کہ یہ دونوں کسی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے، اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ اپنا اثر کر رہے ہیں، تو نہایت سختی سے انکو منع کیا، اور کہا کہ خدا کی قسم اگر امیر المومنین کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اس مفسدہ پردازی کا مزہ چکھا دیتا۔

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱ - ۹۲۔

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا، کبار صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے، اس لیے علانیہ اس جماعت کا کوئی اثر نہ ہوا، البتہ اخیر عہد یعنی ۳۵ھ میں جس سال حضرت عثمان شہید ہوئے، مفسدینِ مدینہ اس قدر بے باک ہو گئے کہ بیرونی مفسدوں کی مدد سے ان کو خود امیر المومنین پر بھی دستِ ستم دراز کرنے کی جرأت ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے، ابھی حمد و ثناء ہی شروع کی تھی، کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ "عثمانؓ! کتاب اللہ کو اپنا طرزِ عمل بنا۔" لیکن صبر و تحمل کے اس پیکر نے نرمی سے کہا، بیٹھ جاؤ" دوسری مرتبہ کھڑے ہو کر پھر اس نے اسی جملہ کا اعادہ کیا، حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا، تین دفعہ اس نے اسی طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی۔ حضرت عثمانؓ نے ہر بار نرمی سے بیٹھنے کو فرمایا۔ لیکن اس کی سازش پہلے سے ہو چکی تھی، ہر طرف مفسدین نے نرغہ کر لیا، اور اس قدر سنگریزے اور پتھروں کی بارش کی کہ نائب رسول زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرشِ خاک پر گر پڑا، مگر صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبۂ غیظ و غضب کو ہیجان نہ ہوا۔[1]

غرض مختلف عناصر نے مل کر افترا پردازیوں اور کذب بیانیوں سے اس طرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، اور آپ کی مخالفت کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ اتنی طویل مدت کے بعد اس زمانہ میں بھی بہت سے تعلیم یافتہ حضرات جو واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے ان غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے متاثر نظر آتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر تمام اعتراضات کو قلمبند کر کے اصل واقعات کو بے نقاب کر دیا جائے۔

اس وقت تک حضرت عثمانؓ پر جس قدر اعتراضات کیے گیے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ۔ کبار صحابہؓ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، مغیرہؓ بن شعبہ، عمروؓ بن عاص، عمارؓ بن یاسر، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن ارقم کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مامور کیا۔

(۲) بیت المال کو بے جا تصرف کیا، اور مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا مثلاً حکمؓ بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا۔ مدینہ آنے کی اجازت دی، اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیے اور اس کے لڑکے حارث کو اس کی اجازت دی کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے عشر وصول کرے۔ مروان کو

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۷

افریقہ کے مالِ غنیمت کا خمس دیا گیا۔ اسی طرح عبداللہؓ بن خالد کو تین لاکھ درہم کا گرانقدر عطیہ مرحمت کیا، اور خود اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال کے قیمتی جواہرات عنایت فرمائے۔ حالانکہ فاروق اعظمؓ نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے تصرفات سے احتراز کیا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا، اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا۔ بیت المال کے مہتمم عبداللہ ابن ارقم اور معیقیب نے اس اسراف پر اعتراض کیا، تو ان کو معزول کر کے زید بن ثابت کو یہ عہدہ تفویض کر دیا۔

(۲) ایک دفعہ بیت المال میں وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز ہوئے حضرت عثمانؓ نے بے وجہ زید بن ثابت کو یہ گراں قدر رقم لینے کی اجازت دے دی۔

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی ؓ ابن کعب کے روزینے بند کر دیئے۔

(۴) مدینہ کے اطراف میں نقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا، اور عوام کو اس سے مستفید ہونے سے روک دیا۔

(۵) مدینہ کے بازار میں بعض اشیا کی خرید و فروخت اپنے لیے مخصوص کر لی، اور حکم دیا، کہ کھجور کی گٹھلیاں امیرالمومنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطرافِ ملک میں نہایت وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائے حالانکہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا تھا۔

(۷) بعض کبار صحابہؓ کی تذلیل کی گئی، اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔ مثلاً ابو ذر غفاریؓ، عمارؓ بن یاسر جندبؓ بن جنادہ، عبداللہؓ بن مسعودؓ اور عبادہ بن صامت کے ساتھ نامنصفانہ سلوک ہوا

(۸) زیدؓ بن ثابت کے تیار کردہ مصحف کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا۔

(۹) حدود کے اجراء میں تغافل سے کام لیا۔

(۱۰) فرائض وغیرہ میں تمام امت کے خلاف روایاتِ شاذہ پر عمل کیا گیا۔ حالانکہ شیخین جب تک روایات کی اچھی طرح توثیق نہیں کر لیتے تھے، ان کو قبول نہیں کرتے تھے۔

(۱۱) مذہب میں بعض نئی بدعتیں پیدا کیں جن کو اکثر صحابہؓ نے ناپسند کیا، مثلاً حج کے موقع پر منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد شیخینؓ نے کبھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔

(۱۲) مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی گئی، جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عثمانؓ کے فرد قرار داد جرم کو رنگ آمیزی کرکے نہایت بدنما اور مکروہ بنایا گیا ہے، لیکن ان میں سے ایک الزام بھی تحقیق کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس میں صداقت کا کتنا شائبہ ہے اور اس کو رنگ آمیزی سے کتنا بدنما بنا دیا گیا ہے۔

سب سے پہلا الزام جو بجائے خود متعدد الزامات کا مجموعہ ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) کبار صحابہؓ کو ذمہ داری کے عہدوں سے معزول کر دیا۔

(۲) نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو رعایا کی قسمت کا مالک بنادیا۔

(۳) اپنے خاندان کو فوقیت دی۔

امراول کی نسبت تحقیقی فیصلہ سے قطع نظر کرکے پہلے دیکھنا چاہیئے کہ اگر یہ الزام درست ہے تو اسلام کے سب سے عادل اور مدبر خلیفہ فاروق اعظمؓ پر جن کا عدل وانصاف اور تدبر دنیائے اسلام کے لیے قیامت تک مایۂ ناز رہے گا، یہی الزام ان پر بھی عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جنھوں نے خالدؓ سیف اللہ مغیرہؓ بن شعبہ اور سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا۔ یا حضرت علی مرتضیٰؓ اسی اعتراض کے مورد ہوتے ہیں یا نہیں؟ جنھوں نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عمال عثمانی کو یک قلم کر دیا جن کی قوت بازو نے طرابلس، آرمینیہ اور قبرص کو زیر نگیں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کے کسی خاص وقتی سبب کی بناء پر ایک شخص کے لیے موجب مدح اور دوسرے کے لیے موجب ذم بنا دیئے جاتے ہیں، اور اس پر ایسی ملمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق وتنقید کا خیال تک نہیں آتا۔

حضرت عثمانؓ نے کبار صحابہؓ میں سے جن لوگوں کو معزول کیا تھا، ان میں سے عمرو بنؓ العاص سعد بن ابی وقاص اور ابو موسیٰ اشعری کی معزولی کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ عمرو بن العاص والی مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ نامنصفانہ سلوک کیا تھا، اور ان کو لونڈی غلام بنالیا تھا، نیز نئی نہروں کے جاری ہو جانے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے، اور آخر عبداللہ بن ابی سرح کی تقرری کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہو گیا۔

اسی طرح سعدؓ بن ابی وقاص والی کوفہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم قرض لی، اور پھر اس کے ادا کرنے میں تساہل کرتے رہے، یہاں تک کہ عبداللہ بنؓ مسعود مہتمم بیت المال سے سخت کلامی کی نوبت پہنچی[1] ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ رعایا کو خوش نہ رکھتے تھے، اور تمام اہل بصرہ ان

---

[1] طبری ص ۲۸

کے مخالف ہو گئے تھے چنانچہ ان کے وفد نے دار الخلافہ جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، کیا یہ تمام وجوہ ان حضرات کو معزول کر دینے کے لیے کافی نہ تھے؟ مغیرہؓ بن شعبہ پر رشوت ستانی کا الزام قائم کیا گیا۔ اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا، لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو اس لیے معزول کر دیا کہ حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ سعدؓ بن ابی وقاص کی تقرری کی وصیت کی تھی[1]۔

عمارؓ بن یاسر کو حضرت عثمانؓ نے معزول نہیں کیا تھا، بلکہ وہ عہد فاروقی ہی میں معزول ہو چکے تھے البتہ عبداللہ بن مسعود کی معزولی بے وجہ تھی، لیکن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو ان کی طرف سے اس قدر بدگمان کر دیا تھا کہ ان کو معزول کر دینا ناگزیر ہو گیا، رہا بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن ارقم اور معیقیب کی سبکدوشی، تو اس کے متعلق خود حضرت عثمانؓ کا بیان موجود ہے جو انھوں نے ان دونوں بزرگوں کی معزولی کے سلسلہ میں ایک جلسۂ عام میں دیا تھا۔

الا ان عبد اللہ بن ارقم	صاحبو! عبداللہؓ بن ارقم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ
لم یزل علی جرائتکم زمن ابی	سے اس وقت تک آپ کے تقسیم وظائف کی
بکر وعمر الی الیوم و انہ	خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن اب،
کبر وضعف وقد ولینا عملہ	بوڑھے اور ضعیف ہو گئے ہیں اس لیے اس
زید بن ثابت۔	خدمت کو زیدؓ بن ثابت کے سپرد کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مال کی نگرانی کا کام جس قدر اہم اور مشکل ہے اس لحاظ سے اگر حضرت عثمانؓ نے ان دونوں کو جو ضعف اور پیری کے باعث اپنے خدمات کو باحسن وجوہ انجام نہیں دے سکتے تھے سبکدوش کر دیا اور اس عہدہ پر زیدؓ بن ثابت کو جو پڑھنے لکھنے اور حساب و کتاب میں خاص طور سے ممتاز تھے، مامور کیا، تو کونسی خطا کی؟

امر دوم کی نسبت غور کرنا چاہیے کہ نا اہل اور ناتجربہ کار افراد کی تقرری کا الزام کہاں تک درست ہے؟ اس میں شک نہیں ہے کہ ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن عامر اگرچہ صحابۂ کرامؓ اور فاروقی عمال کی طرح زہد و اتقاء کے مالک نہ تھے۔ تاہم ان کے انتظامی کارنامے اور عظیم الشان فتوحات کسی طرح ان کو نا اہل اور ناتجربہ کار نہیں ثابت کرتے۔

ولید بن عقبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جزیرہ کے عامل رہ چکے تھے[2] سعید بن العاص نے طبرستان اور آرمینیہ

---

[1] ایضاً ص ۲۸۰۲ [2] طبری ص ۲۸۱۳

فتح کیا،[1] عبداللہ بن ابی سرحؓ نے طرابلس اور قبرص کو زیرنگیں کیا،[2] کیا ان کی یہ فتوحات انکی ناتجربہ کاری کا ثبوت ہیں۔

عبداللہ بن عامر والئی بصرہ البتہ ایک کمسن نوجوان تھے، لیکن فطری لیاقت کو عمر کی کمی زیادتی سے کوئی تعلق نہیں، فتوحات کے سلسلہ میں اوپر گزر چکا ہے کہ اسی نوجوان نے کابل، ہرات، سجستان اور نیشاپور کو اسلام کے زیرنگین کیا تھا، غرض نااہل اور ناتجربہ کار عمال کے تقرر کا الزام سراسر خلافِ واقعہ ہے۔

البتہ امر سوم یعنی اپنے خاندان کے لوگوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر مامور کرنے کا الزام ایک حد تک قابل غور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شیخینؓ اس بارے میں نہایت محتاط تھے، اور ہر ایک شک و شبہ کے موقع سے بچتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملات میں اپنے اعزہ و اقارب کے لیے ہمیشہ کوتاہ دست رہے، لیکن حضرت عثمانؓ ایک سادہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے، مزاج میں اتنی پیش بینی نہ تھی نیز اپنے اختیارات سے اپنے قرابت داروں کو فائدہ پہنچانا صلۂ رحم جانتے تھے۔ ایک دفعہ جب لوگوں نے اس طرز عمل کی علانیہ شکایتیں کیں، تو حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کو جمع کیا، اور خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو تمام عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے؟ اور کیا قریش میں بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے؟ لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہوتی تو تمام بنی امیہ کو اس میں بھر دیتا،[3] بہرکیف یہ امام وقت کی ذاتی رائے تھی، ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق نہ ہوں، لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے فضل و کمال کا دامن داغدار نہیں ہو سکتا۔

دوسرا الزام بیت المال میں مسرفانہ تصرف کا ہے، لیکن ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا گیا ہے وہ یا تو سرتاپا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل گئی ہے۔ ہم تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اس کی اصلی صورت میں دکھاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کر کے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کی مالی حالت کیسی تھی؟ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی فیاضی اور جود و کرم پر قادر تھے یا نہیں؟

یہ مسئلہ تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت عثمانؓ صحابۂ کرامؓ میں سب سے زیادہ دولت مند اور متمول تھے۔ ان کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہزار ہا روپے بیرِ رومہ کی خریداری پر صرف کیے، ایک

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴ [2] ایضاً و فتوح البلدان ص ۲۳۵ [3] ابن سعد جلد ۳ قسم اول تذکرۂ عثمان، ابن حنبل جلد اول ص ۶۲

بیش قرار رقم سے مسجد نبویؐ کی توسیع کی، اور لاکھوں روپے سے "جیش عسرت" کو آراستہ کیا، اب سوال یہ ہے کہ راہ خدا میں جسکے جود وسخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوالقربیٰ کیساتھ کچھ صلۂ رحم نہیں کر سکتا تھا؟

اس کے متعلق ایک موقع پر خود حضرت عثمانؓ نے یہ تقریر فرمائی تھی، جس سے اس الزام کی حقیقت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے۔

قالوا انی احب اهل بیتی واعطیهم
فامّا حبی فانه لم یمل معهم
علی جور بل احمل الحقوق
علیهم واما اعطاؤهم فانی
ما اعطیهم من مالی ولا استحل
اموال المسلمین لنفسی ولا
لاحد من الناس ولا کنت اعطی
العطیة الکبیرة الرغیبة من صلب
مالی فی ازمان رسول الله وابی بکر
وعمر رضی الله عنهما وانا یومئذ
شحیح حریص افحین اتیت علی
اسنان اهل بیتی وفنی عمری
وودعت الذی لی فی اهلی قال
الملحدون ما قالوا وانی والله ما
حملت علی مصر من الامصار
فضلا فیجوز ذلك لمن قاله
ولقد رددته علیهم وما قدم
علی الا الاخماس ولا یحل
لی منها شیٔ فولی المسلمون

لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں اپنے خاندان والوں
سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی
کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف
مائل نہیں کیا ہے، بلکہ میں صرف ان کے واجبی
حقوق ادا کرتا ہوں اسی طرح فیاضی بھی اپنے
ہی مال تک محدود ہے، مسلمانوں کا مال نہ میں
اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے
لیے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور
ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے گراں
قدر عطیے دیا کرتا تھا۔ حالانکہ میں اس زمانہ
میں بخیل و حریص تھا، اور جبکہ میں اپنی خاندانی
عمر کو پہنچ چکا ہوں، زندگی ختم ہو چکی ہے اور
اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل وعیال کے سپرد
کر دیا ہے، تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے
ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی
بار ایسا نہیں ڈالا ہے کہ اس قسم کا الزام دینا
جائز ہو اور جو کچھ وصول ہوا وہ ان ہی
لوگوں کی رفاہ وبہبود پر صرف ہوا، میرے
پاس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے

وضعها فی اهلها دونی	بھی میرے لیے کچھ لینا جائز نہیں، مسلمانوں نے
ولا یتلفت من مال الله	اس کو میرے مشورہ کے بغیر مستحقین میں صرف
بفلس مما فوقه وما	کیا، خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں
ابتلغ منه ما اکل الامن	کیا جاتا ہیں، اس سے کچھ نہیں لیتا ہوں یہاں تک
مالی لے	کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے ہی مال سے۔

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب ہم کو ان واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن کی بنا پر ذوالنورینؓ کی تابشِ ضیا کو غبار آلود کہا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن اخیر عہد میں حضرت عثمانؓ کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دی تھی، چونکہ شیخین کو ذاتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری کا علم نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔ جب حضرت عثمانؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بنا پر ان کو مدینہ بلا لیا۔[۲] اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا، اور صلۂ رحم کے طور پر جیب خاص سے حکم کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے، نیز مروان کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا۔ یہ ہے اصل واقعہ جس کو مفسدین نے رنگ آمیزی کر کے کچھ کا کچھ کر دیا۔

طرابلس کے مالِ غنیمت سے مروان کو خمس دلانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے۔ اس کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ مروان نے اس کو خرید لیا تھا۔

چنانچہ مورخ ابن خلدون لکھتا ہے :-

وارسل ابن زبیر بالفتح والخمس	یعنی ابن زبیر نے فتح کا مژدہ اور پانچواں حصہ
فاشتراه مروان بن حکم بخمس	دار الخلافہ روانہ کیا، جس کو پانچ لاکھ دینار
مائة الف دینار وبعض الناس	پر مروان نے خرید لیا اور بعض لوگ جو
یقول اعطاه ایاه ولا یصح وانما	یہ کہتے ہیں کہ مروان کو دے دیا گیا۔ صحیح
اعطی ابن ابی سرح خمس	نہیں ہے بلکہ پہلے معرکہ کے مالِ غنیمت کے
الخمس من الغزوة الاولی[۳]	خمس کا خمس ابن ابی سرح کو دے دیا تھا۔

لہ طبری ص ۲۹۵۲ - [۲] صاحب اصابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس کا ذکر کیا ہے [۲]

[۳] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹

اب یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوہ کے مالِ غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا حق تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرابلس کی جنگ کے قبل حضرت عثمانؓ نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ تم کو دیا جائیگا، چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ ان کو دے دیا اس سے عام مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی، اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کا اظہار کیا تو انھوں نے اس کو واپس لے لیا۔ (طبری کے یہ الفاظ ہیں :-)

فان رضیتم فقد جاز وان	(حضرت عثمان نے کہا) کہ اگر تم لوگ اس پر
سخطتم فھو رد قالوا انا	راضی ہو تو اُنکا ہو چکا، اور تمہاری مرضی کے خلاف
نسخطہ قال فھو رد وکتب	ہے تو واپس ہے۔ لوگوں نے کہا ہم راضی نہیں ہیں فرمایا
الی عبد اللہ برد ذالک ؎	واپس ہے اور عبداللہ کو واپس کرنے کا حکم نامہ لکھ دیا۔

عبداللہ بن خالدؓ کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا۔ لیکن اس کی نسبت خود حضرت عثمانؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رقم بطور قرض لی ہے۔

حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اپنی صاحبزادیوں کو ہیرے جواہرات دینے کا جو قصہ صرف ابن اسحاق نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانی راوی مجہول ہے، اس لیے قابلِ استناد نہیں۔

بیت المال کے صرف سے اپنے لیے محل تعمیر کرنے کا قصہ محض کذب صریح ہے، جو فیاض طبع اپنے ابر کرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہو، اور جو اپنا مقررہ وظیفہ بیت المال سے لینا پسند نہ کرتا ہو وہ اپنے لیے عام مسلمانوں کا شرمندۂ احسان ہونا کس طرح گوارہ کرتا۔

زید بن ثابت مہتمم بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں اخراجات کے بعد ایک معقول رقم پس انداز ہوئی، حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ اس کو کسی رفاہِ عام کے کام پر صرف کردیں، چنانچہ انھوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کردیا۔ انشاءاللہ اس کا تفصیلی بیان تعمیرات کے سلسلہ میں آئے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابیؓ کے وظائف بند کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں، امام

؎ طبری ص ۲۸۱۵

وقت کو سیاسی وجوہ کی بنا پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں حضرت عثمانؓ کو ان دونوں بزرگوں کی طرف سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لیے انھوں نے کچھ دنوں کے لیے وظیفہ روک دیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وفات پائی۔ تو غایت انصاف سے کام لے کر جس قدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ باقی تھا، جس کی مقدار تخمیناً بیس پچیس ہزار تھی ان کے ورثاء کے حوالہ کر دیا [۱]

(۴) چوتھا اعتراض بالکل بے معنی ہے۔ فوجی گھوڑوں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کے لیے چراگاہیں بنوانا خلیفہ وقت کا منصبی فرض ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بقیع کو چراگاہ قرار دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں وسیع چراگاہیں تیار کرائی تھیں عہد عثمانی میں قدرتاً گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ صرف ایک چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے [۲] اس لیے سرکاری چراگاہوں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چراگاہیں سرکاری خرچ سے تیار ہوئی تھیں، اس لیے عوام کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔

البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے مقام بقیع کی چراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا تو اس کے متعلق انھوں نے خود جن الفاظ میں اپنی بریت ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے لیے کافی ہے۔

قالوا وحمیت حمی وانی واللہ	لوگ کہتے ہیں کہ تونے مخصوص چراگاہیں بنائی
ماحمیت حمی قبلی واللہ ما	ہیں حالانکہ خدا کی قسم میں نے اسی کو مخصوص چراگاہ
حموا شیاً لاحد الا ما غلب	قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی، اور
علیہ اھل المدینہ ثم لم	خدا کی قسم ان لوگوں نے وہی مخصوص چراگاہیں
یمنع من رعیۃ احدا واقتصر	تیار کرائیں جن پر تمام اہل مدینہ غالب آئے اس
الصدقات المسلمین یحمونھا	کے بعد چرانے سے کسی کو نہیں روکا اور
لئلا یکون بین من یلیھا	اس کو مسلمانوں کے صدقے پر محدود کر دیا تاکہ
وبین احد الامن ساقہ	کو اس لیے چراگاہ بنایا تاکہ والی صدقہ اور کسی
ھما ومالی من بعیر غیر دوا	کے درمیان نزاع نہ واقع ہو پھر کسی کو نہ منع

[۱] ابن سعد جزو ۳ قسم اول تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [۲] الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص ۱۵۶۔

احلتین ومالی ثاغیة ولا	کیا نہ اس سے بیشتر بجز اس کے جس نے بطور رشوت کے
راعیة وانی قد ولیت	کوئی درہم دیا، میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے
وانی اکثر العرب بعیرا وشاة	سوا اور کوئی مویشی نہیں ہے حالانکہ جس وقت میں
فمالی الیوم شاة ولا بعیر	نے خلافت کا بارگراں اپنے سر لیا ہے تو میں عرب میں
غیر بعیرین الحجی لہ	سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا، اور
	آج ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے
	صرف حج کے لئے دو اونٹ رہ گئے ہیں ۔

(۵) بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت کو اپنے لیے مخصوص کر لینے کا قصہ بالکل غلط ہے ۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک جفا کار بادشاہ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ البتہ کھجور کی گٹھلیوں کو زکوٰۃ کے اونٹوں کی خوراک کے لیے خریدنے کا انتظام کیا گیا ہوگا، لیکن اس سے کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطرافِ ملک میں وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمانے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے، اس کی صحیح کیفیت یہ ہے :۔

عہد عثمانی میں بہت سے اہل یمن گھر اور جائداد چھوڑ کر مدینے چلے آئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی راحت اور سہولت کے خیال سے نزدیک کی آراضی کا ان کی یمن کی جائداد سے تبادلہ کر لیا تھا، مثلاً حضرت طلحہؓ کو ایک قطعۂ زمین دیا تو اس کے معاوضہ میں کندہ میں ان کی مملوکہ جائداد پر قبضہ کر لیا۔ انتظامی حیثیت سے اس قسم کا ردوبدل ناگزیر تھا۔

عراق میں بہت سی زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی جن لوگوں نے اس کو زراعت کے قابل بنایا، حضرت عثمانؓ نے من احیی ارضا میتة فھی لہ پر عمل کر کے ان کو اس کا مالک قرار دیا، اور ملک کو آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لیے اس قسم کی ترغیب دوتحریص نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے ۔

(۷) اگر حضرت عثمانؓ نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بنا پر کسی صحابی کی تادیب کی تو اس سے اس کی تذلیل نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب پر کوڑا اٹھایا، عیاضؓ بن غنم کا کرتہ اتروا کر بکریاں چرانے کو

لہ طبری ص ۲۹۵۲

دیں، اور سعد ابن ابی وقاصؓ کو دُرّے مارے تو کسی نے اس کو تذلیل پر محمول نہیں کیا۔

حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود تارک الدنیا ہو گئے تھے، چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے لیے ان کو طلب کیا اور وہ دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پہلے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیے، آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہاری دنیا کی مجھ کو ضرورت نہیں ہے [۱]۔

اسی طرح عبادۃؓ بن صامت کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا، بلکہ ان کی جلاوطنی کی روایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد تک شام میں تقسیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے، البتہ عمارؓ بن یاسر، جندب بن جنادۃؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ سختیاں ہوئیں، لیکن اس سے ان کی تذلیل نہیں ہوئی۔

ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا الزام صرف ان لوگوں کے نزدیک قابلِ وقعت قرار پا سکتا ہے جن کے دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے محروم ہیں، حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دے کر پیش نہیں کیا، بلکہ فتنہ کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ نے جو مصحف تیار کرایا تھا، اسی کی نقلیں حضرت عثمان نے مختلف امصار و دیار میں بھجوا دیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو متفق کر دیا۔ یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جس کے بارِ احسان سے امتِ محمدیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

(۹) اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نہایت رحمدل اور رقیق القلب تھے۔ لیکن شرعی حدود کے اجرا میں انھوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا، جن واقعات کی بنا پر ان کو اجرائے حدود میں تغافل شعار بتایا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) عبیداللہ بن عمر سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا۔

(۲) ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروقِ اعظمؓ کو ابولولو مجوسی نے شہید کیا تو عبیداللہ بن عمرؓ نے غضبناک ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ سب

---

[۱] ابن سعد تذکرہ ابوذرؓ

بسازش میں شریک تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی، تو سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا، آپ نے صحابہؓ سے اس کے متعلق رائے طلب کی۔ حضرت علیؓ نے عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ بعض مہاجرین نے کہا، عمرؓ کل قتل ہوئے اور ان کا لڑکا آج مارا جائے گا؟ عمرو بن العاص نے کہا۔ امیر المومنین! اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں تو اُمید ہے کہ خدا آپ سے باز پرس نہ کرے گا۔ غرض اکثر صحابہؓ عبید اللہ کے قتل کر دینے کے خلاف تھے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے بحیثیت امیر المومنین میں اس کا ولی ہوں، اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہوں۔ اس کے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دے دی[1] حضرت عثمان نے جس عمدگی کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ قبیلہ عدی کبھی ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمر کے قتل کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور درحقیقت کسی نہ کسی فتنہ وفساد کی آگ مشتعل ہو جاتی ولید بن عقبہ والی کوفہ نے بادہ نوشی کی تو حضرت عثمان نے فوراً معزول کر دیا، لیکن حد کے اجرا میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ گواہوں پر کامل اطمینان نہیں تھا، جب کافی ثبوت بہم پہنچ گیا تو پھر حد کے اجرا میں پس وپیش نہیں کیا گیا[2]

(۱۰) یہ خیال کہ حضرت عثمانؓ نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایات شاذہ پر عمل کیا، قطعی غلط ہے، البتہ اجتہادی مسائل میں اختلافِ آراء، اور یہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام صحابہؓ میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱۱) مذہب میں اختراعِ بدعات کا الزام نہایت لغو اور سراسر کذب ہے۔ اتباعِ سنت حضرت عثمان کا مقصدِ حیات تھا، منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز ادا کرنا بھی دراصل ایک نص شرعی پر مبنی تھا، چنانچہ جب صحابہؓ نے اس کو بدعت پر محمول کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی۔

یاایھا الناس انی تاھلت بمکۃ منذ	صاحبو! جب میں مکہ پہنچا تو یہاں اقامت کی نیت
قدمت وانی سمعت رسول اللہ	کر لی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاھل	کو فرماتے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں اقامت کی نیت
فی بلد فلیصل صلوٰۃ المقیم[3]	کرے اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنا چاہیئے

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۸-۵۹۔ [2] فتح الباری ج ۷ ص ۴۵ وطبری ص ۲۸۴۹-۲۸۴۷۔ [3] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۲

(۱۲۱) بارہواں الزام "مصری وفد" کے ساتھ بدعہدی کا ہے۔ اس پر تفصیل بحث حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر آئے گی۔

شورش کے انسداد اور اصلاح کی آخری کوشش | غرض یہ حقیقت ہے ان تمام الزامات کی جن کی بنیاد پر سازش، فتنہ پردازی اور انقلاب کی عمارت قائم کی گئی تھی اور اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ اس کا انہدام تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ تاہم حضرت عثمان نے شورش رفع کرنے کے لیے اصلاح اور شکایتوں کے ازالہ کی ایک آخری کوشش کی، اور تمام عمال کو دارالخلافہ میں طلب کر کے اس کے متعلق ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی جس میں امیر معاویہؓ عبداللہ بن ابی سرح، سعید بن العاص اور عمرو بن العاص خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کو رفع کرنے کے متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی۔ عبداللہ بن عامر نے کہا امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کر دی جائے، لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے، تو فتنہ و فساد کی آگ خود بخود سرد ہو جائے گی۔

سعیدؓ بن العاص نے کہا، موجودہ شورش صرف ایک جماعت کی وجہ سے ہے۔ اس کے سرگروہ اگر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے گا، اور ملک میں کامل امن و امان پیدا ہو جائے گا۔

امیر معاویہؓ نے کہا، ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ لے، میں ملکِ شام کا ضامن ہوں۔

عبداللہ بن سعد نے کہا، شورش پسند گروہ حریص و طماع ہے اسلئے مال و زر سے اِسکا منہ بند کیا جا سکتا ہے۔

عمروؓ بن العاص نے کہا امیر المومنین! آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاجِ حق پر آمادہ کیا ہے اس کے تدارک کی صرف دو ہی صورتیں ہیں، یا عدل و انصاف سے کام لیجئے یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے تعجب سے عمروؓ بن العاص کی طرف دیکھا اور فرمایا، افسوس! کیا تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو؟ عمرو بن العاص خاموش رہے، لیکن جب مجمع منتشر ہو گیا اور تنہا حضرت عثمانؓ رہ گئے تو کہا امیر المومنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہم خیال سمجھ کر اپنا رازدار بنائیں اور اس طرح آپ کو انکے خیر و شر سے مطلع کرتا رہوں، اگرچہ یہ عذر معقول اور دل نشین نہ تھا تاہم حضرت عثمانؓ خاموش ہو گئے۔ لہ

مجلسِ شوریٰ کے ارکان نے اگرچہ اپنے اپنے خیال کے مطابق مفید آرائیں دیں، لیکن ان میں سے

لہ ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۱۷، ۱۱۸

کسی رائے سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور العمل تیار نہ ہو سکا اور حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو واپس کر دیا۔ اور خود ایک مکمل سکیم سوچنے میں مصروف ہو گئے۔

مفسدین کوفہ کی رضاجوئی پہلے گزر چکا ہے کہ مفسدین کوفہ سعیدؓ بن العاص سے خاص بغض و عناد رکھتے تھے چنانچہ جب وہ مجلسِ شوریٰ میں شریک ہو گئے تو انہوں نے باہم عہد کیا کہ اب وہ ان کے کوفہ واپس آنے میں مزاحم ہوں گے۔ چنانچہ جب سعیدؓ بن العاص مدینہ سے کوفہ گئے تو مفسدین نے شہر سے باہر نکل کر مقام جرعہ میں مزاحمت کی، اور سعیدؓ کو مدینہ جانے پر مجبور کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق سعیدؓ کو معزول کر کے ابوموسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا۔ اور باغیوں کے پاس لکھ کر بھیجا کہ میں نے تمہاری خواہش کے مطابق مقرر کر دیا، اور آخر وقت تک تمہاری اصلاح میں جدوجہد کروں گا اور کسی وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا[1]۔

تحقیقاتی وفود حضرت عثمانؓ برابر اصلاح ملک کی فکر میں تھے کہ کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیقات کے لیے وفود روانہ کیے جائیں۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ کوفہ، اسامہؓ بن زید بصرہ، عمار بن یاسر مصر، عبداللہ بن عمرؓ شام اور بعض دوسرے صحابہؓ دیگر صوبہ جات کی طرف تفتیش حال کے لیے روانہ ہو گئے[2]۔ نیز تمام ملک میں گشتی اعلان جاری کر دیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام عمال جمع کرتا ہوں اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے۔ فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہوں، لیکن باوجود اس کے معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بلے وجہ لوگوں کو مارتے ہیں، گالی دیتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے ظلم و تعدی کرتے ہیں، اس لیے یہ اعلانِ عام ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے، میں کامل تدارک کر کے ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤں گا[3]۔

انقلاب کی کوشش ادھر دربارِ خلافت میں یہ اصلاحات کی تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ بصرہ کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے آپس میں طے کر کے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کا رُخ کیا تاکہ حضرت عثمانؓ سے بزور اپنے مطالبات تسلیم کرائیں۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا، اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرگروہ تھے باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت علی کے پاس گئے کہ وہ اپنی وساطت سے معاملہ کا تصفیہ کرا دیں، لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کر دیا۔

---

[1] طبری ۲۹۳۶۔ [2] طبری ص ۲۹۴۳ [3] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳ [4] ایضاً ص ۱۲۵۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ و فساد کا دبانا اور لوگوں کی صحیح شکایات کا دفع کرنا بہر حال منظور تھا۔ اس لیے انہوں نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کرکے واپس کر دیجیے، میں جائز مطالبات کے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ کی وساطت سے مفسدین واپس گئے۔[۱] اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ طرزِ عمل کی توضیح کی، لوگ خوش ہوئے کہ اب تنازعات کا خاتمہ ہو گیا، اور جدید اصلاحات کے اجراء سے ایک طرف تو بنوامیہ کا زور سا ٹوٹ جائے گا، دوسری طرف باغِ اسلام میں جس کو مسلسل پانچ سال کے فتنہ و فساد اور سازش و فتنہ پردازی کی بادِ خزاں نے بے رونق کر دیا ہے، پھر تازہ بہار آجائے گی۔ لیکن یہ غنچۂ سرور ابھی اچھی طرح کھلا بھی نہ تھا کہ مرجھا گیا، اور ایک دن دفعتہً مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شور قیامت برپا ہو گیا، کبار صحابہؓ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے۔ دیکھا کہ مفسدین کی جماعت پھر واپس آگئی ہے، اور انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا، مصریوں نے کہا کہ راہ میں دربارِ خلافت کا ایک قاصد ملا، جو نہایت تیزی و عجلت کے ساتھ مصر جا رہا تھا۔ اس مشتبہ حالت سے بدگمانی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے متعلق والیٔ مصر کے پاس احکام جا رہے ہیں۔ تلاشی لی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جسمیں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن مار دی جائے اسلئے اب ہم اس بدعہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں۔

خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ حضرت عثمانؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی گئی تو آپ نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی، اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یقیناً یہ مروان کی شرارت ہے۔ مصریوں نے کہا بہر حال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے اہم امور پیش آجائیں اور اسے خبر نہ ہو وہ کسی طرح خلافت کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا، اور حضرت عثمانؓ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا جب تک مجھ میں رمقِ جان باقی ہے، میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے، خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔[۲]

محاصرہ حضرت عثمانؓ کے انکار پر مفسدین نے کاشانۂ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا، جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۹ طبع یورپ [۲] طبری ص ۱۹۵۸ و ابن سعد تذکرہ عثمانؓ۔ [۳] ابن سعد تذکرہ عثمانؓ۔

اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی، مگر مفسدین کے قلوب نورِ ایمان سے خالی ہو چکے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا۔[1] ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی، مفسدین کی خیرہ سری سے صحابۂ کرام کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ ابو ہریرہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور زید بن ثابت جیسے اکابر صحابہؓ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی حضرت علیؓ نے حضرت عثمان کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا۔ آپ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا جو حالت ہے اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو[2] بہت سے صحابہؓ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، حضرت عائشہ نے سفر حج کا ارادہ کر لیا، اکابر صحابہؓ نے اُن پر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسب سمجھی، ذمہ دار صحابہ میں اس وقت تین بزرگ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ موجود تھے جو نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے، اور نہ ان حالات پر ان کو قابو تھا، تینوں اصحاب بھی عملاً علیحدہ رہے، مگر آپ نے اپنے جگر گوشوں کو خلیفۂ وقت کی حفاظت کے لیے بھیج دیا، حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں جو جان نثار موجود تھے ان کی افسری پر متعین کیا۔

باغیوں کو حضرت عثمان کی فہمائش | کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرنے والے باغیوں کو متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے سامنے مؤثر تقریریں کیں، حضرت ابی بن کعبؓ نے تقریر کی، مگر ان لوگوں پر کسی چیز کا اثر نہ ہوا۔ حضرت عثمان نے چھت کے اوپر سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے، تو یہ مسجد تنگ تھی، آپ نے فرمایا کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی، تو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز پڑھنے نہیں دیتے۔ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں بیر رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کنواں نہ تھا آپؐ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا، تو میں نے ہی اس کی تکمیل کی، تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے

---

[1] طبری ص ۳۰۱۰ - [2] ابن سعد جلد ۳ قسم اول

لشکر کو میں ہی نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا؟ سب نے جواب دیا خداوندا یہ سب باتیں سچ ہیں[1]
مگر سنگدلوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوا۔ پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا: تم کو قسم دیتا ہوں تم میں کسی کو یاد ہے
کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ حرا پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے پہاڑ کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر فرمایا
اے حرا! ٹھہر جا! کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے، اور میں آپ کے ساتھ
تھا، لوگوں نے کہا یاد ہے، پھر فرمایا خدا کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہ حدیبیہ میں مجھے آپ نے مکہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا، تو کیا خود اپنے
اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا؟ اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی! سب نے کہا سچ ہے[2]

آخر میں باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ
مدینہ کا رخ کریں گے، اور موقع نکل جائے گا۔ آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے جس کو خود حضرت عثمانؓ
نے اپنے کانوں سے سنا، اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے
ہو؟ اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی صرف تین ہی صورتیں، یا تو اس نے بدکاری کی ہو، تو اس کو سنگسار
کیا جائے، یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جائے گا، یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا
جائے گا۔ میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں بدکاری کی، نہ کسی کو قتل کیا، اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا
اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔ اور محمدؐ اسکے بندہ اور رسول ہیں لیکن باغیوں پر ان میں سے کوئی تقریر کارگر نہ ہوئی

جان نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی بعض جان نثاروں نے مختلف مشورے دیئے۔ مغیرہؓ بن شعبہ
نے آکر عرض کیا "امیر المومنین تین باتیں ہیں، ان میں سے ایک قبول کیجئے۔ آپ کے طرفداروں اور جان نثاروں
کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے، اس کو لے کر نکلئے، اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجئے
آپ حق پر ہیں وہ باطل پر، لوگ حق کا ساتھ دیں گے۔ اگر یہ منظور نہیں تو پھر صدر دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف
سے دیوار توڑ کر اس محاصرہ سے نکلئے اور سواریوں میں بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جائیے، وہ حرم ہے، وہاں یہ لوگ لڑ نہ
سکیں گے، یا پھر یہ کہ شام چلے جائیے، وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہؓ موجود ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں
باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے، اگر
مکہ معظمہ چلا جاؤں تو بھی اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرم الٰہی کی توہین نہ کریں گے، اور جنگ سے باز آجائیں گے
اور میں آپ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا ہوں کہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث ہو گا اور شام

[1] ابن حنبل جلد اول ص ۵۹، ۷۰، صفحہ ۷۰، [2] ایضاً ۵۹ [3] ایضاً ص ۶۲

بھی نہیں جا سکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا[1]

حضرت عثمانؓ کا گھر بڑا وسیع تھا۔ دروازہ اور گھر میں صحابہؓ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی جس کی تعداد سات سو تھی[2]، اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیر تھے[3] وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المومنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے، اجازت ہو تو میں ان باغیوں سے لڑوں۔ فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔[4]

گھر میں اس وقت بیس غلام تھے، ان کو بھی بلا کر آزاد کر دیا۔ حضرت زید بن ثابت نے آکر عرض کیا امیر المومنین، انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں۔ فرمایا، اگر لڑائی مقصود ہو تو اجازت نہ دوں گا[5]۔ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے[6]۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اجازت مانگی تو فرمایا کہ اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے (یہ سورہ مائدہ ع ۵ کی آیت ۶ کی طرف اشارہ ہے) ابوہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے۔[7]

شہادت کی تیاری حضرت عثمانؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے۔[8] آپؐ نے متعدد مرتبہ ان کو اس سانحہ سے خبردار کیا تھا اور صبر و استقامت کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے۔ جس دن شہادت ہونے والی تھی آپ روزہ سے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمانؓ جلدی کرو، تمہارے افطار کے منتظر ہیں۔ بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آگیا ہے۔ باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انھوں نے کہا، امیر المومنین! ایسا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں![9] اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عثمانؓ! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا۔[10] پھر پائجامہ جس کو کبھی نہیں پہنا تھا منگوا کر پہنا[11]، اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا، اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

شہادت باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا۔ حضرت امام حسنؓ جو دروازہ پر متعین تھے، مدافعت میں زخمی

---

[1] ابن حنبل جلد اول ص ۶۷ [2] ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۴۹ [3] ایضاً [4] ابن حنبل جلد اول ص ۷۲ [5] ابن سعد جلد ۳ ص ۴۹ [6] ایضاً [7] ایضاً [8] ابن حنبل جلد اول ص ۶۶ [9] ابن سعد جلد ۳ ص ۵۳ اور حاکم ج ۳ ص ۹۹ و ۱۰۳ میں یہ دونوں خواب مذکور ہیں اور ابن حنبل میں صرف پہلے خواب کا [10] ابن حنبل جلد اول ص ۷۱ -

چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ آگے آگے حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکر تھے جو حضرت عثمان کے دشمن بن گئے تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑ لی، اور زور سے کھینچی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا، یہ سن کر محمد بن ابی بکر شرما کر پیچھے ہٹ گئے، اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشیر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے۔ اس وقت بھی زبان سے "بسم اللہ توکلت علی اللہ" نکلا۔ سودان ابن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی، جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ ایک اور سنگدل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو زخم لگائے۔ کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ نے جو پاس ہی بیٹھی تھیں، ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں، وار نے ذوالنورینؓ کی شمع حیات بجھا دی۔ اس بیکسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا، کائنات ارضی و سماوی نے خون ناحق پر آنسو بہائے۔ کارکنان قضا و قدر نے کہا جو خون آشام تلوار آج کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا۔[۱]

شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ تلاوت فرما رہے تھے۔ قرآن مجید سامنے کھلا تھا، اس خون ناحق نے جس آیت کو خون ناب کیا وہ یہ ہے،

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (بقرہ-۱۵) خدا تم کو بس ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا، دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی حرم رسول میں قیامت تھی، باغیوں کی حکومت تھی، ان کے خوف سے کسی کو علانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سنیچر کا دن گزر کر رات کو چند آدمیوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور غسل دیئے بغیر اسی طرح خون آلود پیراہن[۲] میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا، اور کل سترہ آدمیوں نے کابل سے مراکش تک فرماں روا کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ مسند ابن حنبل میں ہے حضرت زبیرؓ نے اور ابن سعد میں ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع کے پیچھے حش کوکب[۳] میں اس حلیم و بردباری کے مجسمہ اور بیکسی و مظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا، بعد کو یہ مقام دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا، آج بھی جنۃ البقیع کے سب سے آخر میں مزار مبارک موجود ہے

حضرت عثمانؓ کا ماتم صحابۂ کرام اور عام مسلمانوں میں سے کوئی اس سانحہ عظمیٰ کے سننے کیلئے تیار نہ تھا اور کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ باغی اس حد تک جرأت کریں گے کہ امام وقت کے قتل کے مرتکب ہوں گے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے۔ [۲] ایضاً [۳] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۳۷،

اورحرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کریں گے۔ اس لیے جس نے اس کو سنا انگشت بدنداں رہ گیا جو لوگ حضرت عثمانؓ کی طرز حکومت کے کسی قدر شاکی تھے انہوں نے بھی اس بیکسی اور مظلومی کی موت پر آنسو بہائے۔ تمام لوگوں میں سناٹا چھا گیا۔ خود باغی بھی جن کی پیاس اس خون سے بجھ چکی تھی، اب مآلِ کار کو سوچ کر اپنی حرکت پر نادم تھے، لیکن دشمنوں نے اسلام کیلئے سازش کا جو جال بچھایا تھا، اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے۔ متحد اسلام سنی شیعہ، خارجی اور عثمانی مختلف حصوں میں بٹ گیا۔ اور ایسا تفرقہ پڑا جو قیامت تک کے لیے قائم رہ گیا۔

حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف آرہے تھے، کہ راہ میں شہادت کی اطلاع ملی یہ خبر سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ خداوندا! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں[1] حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا لوگو! اگر کوہ احد تمہاری اس بداعمالی کے سبب پھٹ کر تم پر گر پڑے تو بھی بجا ہے حضرت حذیفہؓ نے جو صحابہؓ میں فتنہ وفساد کی پیشین گوئی کے سب سے بڑے حافظ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم اسرار تھے، فرمایا آہ! عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا حضرت ابن عباسؓ نے کہا اگر تمام خلقت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے، ثمامہؓ بن عدی صحابی کو جو صنعائے یمن کے والی تھے۔ اس کی خبر پہنچی تو وہ رو پڑے اور فرمایا کہ افسوس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی جاتی رہی۔ ابو حمید ساعدیؓ صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیوں گا ہنسی کا منہ نہ دیکھوں گا۔ عبداللہ بن سلام صحابی نے کہا آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا عثمانؓ مظلوم مارے گئے۔ خدا کی قسم ان کا نامۂ اعمال دھلے کپڑے کی طرح پاک ہو گیا۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آجاتا تو دھاڑیں مار مار کے روتے[2]

حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئیں۔ جب وہ کرتہ مجمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں لٹکائی گئیں تو ماتم برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔

---

[1] ایضاً ۲ ابن سعد ومستدرک تذکرہ عثمانؓ [2] یہ تمام الفاظ ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۵۵، ۵۶ میں مذکور ہیں۔ حضرت سعیدؓ بن عمرو بن نفیل کا فقرہ صحیح بخاری باب اسلام سعیدؓ بن زید میں بھی مذکور ہے۔ حضرت علیؓ کا فقرہ حاکم مستدرک میں بسند صحیح نقل کیا ہے۔

عثمانی رضی اللہ عنہ کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر | اس میں شک نہیں ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوتِ عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے، ایران کی دولت و مملکت فرزندانِ توحید کا ورثہ بن گئی، دولتِ کیانی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئی، اور تمام ایران مسخر ہو گیا۔ شام، مصر، الجزائر نے بھی سپر ڈال دی، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ فاتح قوم کا ایک ہی سیلاب مفتوح اقوام کے احساسِ خودی کو فنا کر دے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو، اور اس کے قوائے عملی بیکار ہو گئے ہوں؟ سکندر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا لیکن اس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی، چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا، لیکن ان کی فتوحات کیوں نقش بر آب ثابت ہوئیں؟ در حقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا تو اس کی فتوحات اس تماشا گاہِ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں۔ اس بنا پر جانشینِ فاروق کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالکِ مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی، اور مفتوح اقوام کے جذبۂ خود سری کو رفتہ رفتہ اپنے حسنِ تدبیر اور حسنِ عمل سے اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں میں بھی انہیں سرتابی کی ہمت نہ ہوتی۔

تم نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں، مصر میں بغاوت ہوئی، اہلِ آرمینیہ اور آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا۔ اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی۔ یہ تمام بغاوتیں درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں، جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کے جذبۂ آزادی کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فرو کیا اور آہستہ آہستہ تشدّد و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا۔

فتوحات کی وسعت | عہدِ عثمانی میں ممالکِ محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس برقہ اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوئے۔ ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی، ایران کے متصلہ ملکوں میں افغانستان، خراسان، اور ترکستان کا ایک حصہ زیر نگین ہوا، دوسری سمت آرمینیہ اور آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی۔ اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں کر لیا گیا۔

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوا۔ حضرت عمرؓ کی احتیاط نے مسلمانوں کو سمندری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ ذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے جزیرۂ قبرص (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا، اور بحری جنگ میں قیصر روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے۔ ایسی فاش شکست دی کہ پھر رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی

نظام خلافت | اسلامی حکومت کی ابتدا شوریٰ سے ہوئی۔ فاروق اعظمؓ نے اس کو زیادہ مکمل اور منظم کر دیا حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا۔ لیکن آخر میں بنو امیہ کے استیلا نے اس میں برہمی پیدا کر دی۔ مروان بن حکم نے حضرت عثمانؓ کے اعتماد، نیکی اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خلافت کے کاروبار میں پورا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ تاہم جب کبھی آپ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی تو آپ فوراً اس کے تدارک کی سعی کرتے، نیک مشوروں کو قبول کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انھوں نے فوراً اس کو معزول کر دیا، اور شرعی حد جاری کی، اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک کی عام تحقیقات کے لئے وفود بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کو تسلیم کر لیا۔

جمہوری حکومت کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت، اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو، حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد میں اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم برہم ہو گیا تھا، تاہم یہ حقوق بجنسہٖ باقی تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مجمع عام میں ایک شخص نے عمال کو اپنے ہی خاندان سے منتخب کرنے پر بلند آہنگی سے اعتراض کیا، اسی طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کے مال غنیمت سے خمس کا پانچواں حصہ دے دیا۔ تو بہت سے آدمیوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمانؓ کو اسے واپس کرانا پڑا۔

عمال کی مجلس شوریٰ | ملکی وانتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے مقابلہ میں نسبتہً بہتر اور صائب رائے قائم کر سکتے ہیں چنانچہ آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال وحکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ عثمانؓ ذوالنورین نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی۔ اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائیں طلب کی جاتی تھیں۔ کوفہ میں پہلے پہلے جب فتنہ وفساد کی ابتدا ہوئی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے رائیں طلب کی گئی تھیں، کبھی کبھی دارالخلافہ میں باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ۳۴ھ میں اصلاحات ملک پر غور کرنے کے لئے

جو جلسہ ہوا تھا، اس میں تمام اہل الرائے اور اکثر عمال شریک تھے۔ [1]

صوبوں کی تقسیم | انتظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلے کام صوبہ جات اور اضلاع کی مناسب تقسیم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملک شام کو تین صوبوں میں تقسیم کیا تھا، یعنی دمشق، اردن اور فلسطین علیحدہ علیحدہ صوبے قرار پائے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سب کو ایک والی کے ماتحت کر کے ایک صوبہ بنادیا جو نہایت سود مند ثابت ہوا، کیونکہ جب والی خوش تدبیر اور ذی ہوش ہو تو ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے سے اس کا ایک ہی مرکز سے وابستہ رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری عہد میں جب تمام ملک سازش اور فتنہ پردازی کا جولان گاہ بنا تھا، اس وقت وہ تمام اضلاع جو شام سے ملحق کر دیئے گئے تھے۔ اس سے پاک و صاف رہے۔

دوسرے صوبہ جات بعینہٖ باقی رکھے گئے۔ البتہ جدید مفتوحہ ممالک یعنی طرابلس، قبرص، آرمینیہ اور طبرستان علیحدہ علیحدہ صوبے قرار پائے۔

اختیارات کی تقسیم | حضرت عثمانؓ نے افسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا، اس سے پہلے والی یعنی حاکم صوبہ انتظام ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا۔ چنانچہ یعلی بن منیہ صنعا کے عامل ہوئے، تو عبداللہ بن ربیعہ فوج کی افسری پر مامور ہوئے۔ اسی طرح عمروؓ بن العاص معزولی سے پہلے والئی مصر تھے، اور مصری فوج کی باگ عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں تھی۔

حکام کی نگرانی | خلیفۂ وقت کا سب سے اہم فرض حکام اور عمال کی نگرانی ہے۔ حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم تھے، بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری، تساہل اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا، لیکن ملکی معاملات میں انھوں نے تشدد، احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا۔ سعد بن ابی وقاص نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی جس کو ادا نہ کر سکے۔ حضرت عثمانؓ نے سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی، معزولی کر کے علانیہ حد جاری کی۔ ابو موسیٰ اشعری نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انھیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح عمرو بن العاص والئی مصر وہاں کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا یہ عام طریقہ تھا کہ دریافت حال کے لیے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کیے جاتے

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۷

جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔ یہ تینوں بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم ممتاز حیثیت رکھتے تھے چنانچہ ۳۵ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے جو وفد کیے گئے تھے، ان میں یہی حضرات تھے۔[1]

ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے۔[2] تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو، وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کیے جاتے تھے، اسلئے بالمواجہ شکایتوں کی تحقیقات کر کے تدارک فرماتے۔[3]

ملکی نظم و نسق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ملکی نظم و نسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بعینہ باقی رکھا، اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے، ان کو منضبط کر کے ترقی دی۔ یہ اسی نظم و نسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ دینار تھا لیکن عہد عثمانی میں اس کی تعداد ۴۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔[4]

بیت المال جدید فتوحات کے باعث جب ملکی محاصل میں غیر معمولی ترقی ہوئی تو بیت المال کے مصارف میں بھی اضافہ ہوا، چنانچہ اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک سو درہم کا اضافہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رمضان میں امہات المومنین کو دو دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقرر کر دیا۔

تعمیرات حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ تمام صوبہ جات میں مختلف دفاتر کے لیے عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے۔ پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا، اس سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان مہمان خانہ بنوایا۔

ملکی انتظام اور رعایا کی آسائش دونوں لحاظ سے ضرورت تھی کہ دار الخلافہ کے تمام راستوں میں موقع موقع سے چوکیاں، سرائیں، اور چشمے تیار کرا دیئے۔ چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلے پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا۔ نیز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا، جو بیر السائب کے نام سے مشہور ہے۔

[1] طبری ص ۲۹۴۳ [2] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۳ [3] طبری ص ۲۹۴۴ [4] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۳

بند مہزور خیبر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا جس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا۔ مسجد نبویؐ کو اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا اس لیے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام بند مہزور ہے۔ رفاہ عام کی تعمیرات میں یہ خلیفۂ ثالث کا ایک بڑا کارنامہ ہے [1]۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ عہد نبوتؐ میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی تھی، تو اس کی توسیع کے لیے حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعۂ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا۔ پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ سب سے اول ۲۴ھ میں اس کا ارادہ کیا، لیکن مسجد کے گرد و پیش جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی مسجد نبویؐ کی قربت کے شرف سے دست کش ہونے کے لیے راضی نہ ہوتے۔ حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ پانچ سال اس میں گزر گئے۔ بالآخر ۲۹ھ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی موثر تقریر کی، اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیئے اور آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا۔ نگرانی کے لیے تمام عمال طلب کیے، اور خود شب و روز مصروف کار رہتے تھے۔ غرض دس مہینوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم عمارت تیار ہوگئی۔ وسعت میں بھی کافی اضافہ ہوگیا، یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا، البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا [2]۔

فوجی انتظامات حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کو ترقی دی، فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے تھے حضرت عثمانؓ نے اس میں سو سو درہم کا اضافہ کیا، اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں سے الگ کر کے تمام صدر مقامات میں علیحدہ مستقل افسروں کے ماتحت کر دیا، اس عہد کے مکمل فوجی انتظامات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ کو حدود شام میں رومیوں کے مقابلہ کے لیے فوجی کمک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور آرمینیہ کی فوجیں نہایت

---

[1] ایضاً ج ۲ ص ۲۱۷ [2] خلاصۃ الوفا ص ۱۲۴ -

عجلت کے ساتھ بروقت پہنچ گئیں، اسی طرح جب عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس میں بغاوت فرد کرنے کے لیئے فوجی طاقت کی ضرورت پیش آئی تو شام وعراق کی کمک نے عین وقت پر مساعدت کی، افریقہ کی فتح میں جب مصری فوج ناکام ثابت ہوئی تو مدینہ سے کمک روانہ کی گئی جس کے افسر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، انھوں نے معرکہ کو کامیابی کے ساتھ ختم کیا۔

عہد فاروقیؓ میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پاتے تھے، عہد عثمانیؓ میں ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان اور آرمینیہ میں بھی فوجی مرکز قائم کیے گئے، اور اضلاع میں چھاؤنیاں بنائی گئیں جہاں تھوڑی تھوڑی فوج متعین رہتی تھی۔

تمام ملک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش وپرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائی گئیں، خود دارالخلافہ کے اطراف ونواح میں متعدد چراگاہیں تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی، دوسری چراگاہ مقام نقیع میں تھی، جو مدینہ سے بیس میل دور ہے۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضریہ میں تھی جو وسعت میں ہر طرف سے چھ چھ میل تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی، تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا، اور ہر چراگاہ کے قریب چشمے تیار کرائے گئے چنانچہ مقام ضریہ میں بنی ضبیعہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کردیا گیا، علاوہ اس کے حضرت عثمانؓ نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ تیار کرایا، اور منتظمین چراگاہ کے لیے مکانات تعمیر کرائے۔ عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں کی جو کثرت تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف ضریہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

امارت بحریہ اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتدا خاص عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوئی، اس سے پہلے یہ ایک خطرناک کام سمجھا جاتا تھا، مگر افسوس ہے کہ تاریخوں سے اس کے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہیں چلتا، صرف اس قدر معلوم ہے کہ امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر بارگاہ خلافت سے ایک جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم ہوا، اور عبداللہ بن قیس حارثی اس کے امیر البحر ہوئے، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ اسی زمانہ میں مسلمانوں کی بحری قوت اتنی بڑھ گئی کہ آسانی کے ساتھ قبرص زیرنگیں ہوگیا، اور رومیوں کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو جس میں پانچ سو جہاز تھے اسلامی بیڑے نے ایسی شکست دی کہ پھر اس نے اسلامی سواحل کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہ کی

مذہبی خدمات نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اس کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو اس فرض کے انجام دینے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا، چنانچہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے، ان کے سامنے خود اسلام کے محاسن بیان کر کے ان کو دین متین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں۔ حضرت عثمانؓ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا، چنانچہ دو عورتوں نے متاثر ہو کر کلمۂ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہوئیں [۱]۔

غیر قوموں میں اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے، حضرت عثمانؓ خود بالمشافہ مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے، اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا۔[۲] جس مسئلہ میں شبہ ہوتا، یا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے تھے تو دوسرے صحابہ سے استفسار فرماتے، اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر حج کے دوران میں ایک شخص نے پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا تھا۔ جب آپ کھانے کے لیے بیٹھے تو شبہ ہوا کہ حالتِ احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ بھی ہمسفر تھے، ان سے استصواب کیا، انھوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، اور حضرت عثمانؓ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔[۳]

مذہبی انتظامات کی طرف پوری توجہ تھی، مسجد نبویؐ کی تعمیر کا حال گزر چکا ہے۔ مدینہ کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہوتی تھی، اس لیے ایک اور موذن کا تقرر کیا جو مقام زوراء میں اذان دے کر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا، نماز میں صفوں کے برابر اور سیدھی رکھنے کے انتظام پر متعدد اشخاص متعین تھے، جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے۔

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آرمینیہ اور آذربائیجان کی مہم میں شام، مصر، عراق وغیرہ مختلف ملکوں کی فوجیں مجتمع تھیں، جن میں زیادہ تر نو مسلم اور عجمی النسل تھے جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان بھی شریک جہاد تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اختلاف قرأت کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرأت، اہل عراق سے بالکل جداگانہ ہے، اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت،

---

[۱] ادب المفرد باب خفض المرأۃ [۲] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۳] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۱

اہلِ عراق سے بالکل جدا گانہ ہے۔ اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت اہلِ کوفہ سے مختلف ہے اور ہر ایک اپنے ملک کی قرأت کو صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کو اس اختلاف سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس ہوئے تو سیدھے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا: "امیر المومنین اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح خدا کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کریں گے۔" حضرت حذیفہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا، اور انھوں نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ سے اس کی نقلیں کرا کے تمام ملک میں اس کی اشاعت کی، اور ان تمام مختلف مصاحف کو جنہیں لوگوں نے بطور خود مختلفِ املاؤں سے لکھا تھا صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیا۔ [2]

ظاہر ہے کہ ان اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت و انجیل اور دیگر صحفِ آسمانی کا ہوا۔

---

[1] مسند شافعی صفحہ ۳۸ [2] بخاری باب جمع القرآن۔

فضل وکمال

نوشت وخواند حضرت عثمانؓ ان صحابہ میں تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت وخواند جانتے تھے، اسلام کے بعد اس ملکہ میں اور زیادہ ترقی ہوئی۔

کتابتِ وحی آپ کی تحریر وکتابت کی مہارت کی بنا پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کتابتِ وحی پر مامور کیا تھا، اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی، تو آپ کو بلا کر لکھوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شب کے وقت وحی نازل ہوئی حضرت عثمان موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھنے کا حکم دیا تو انھوں نے اسی وقت تکمیلِ ارشاد کی [1]۔

اسلوبِ تحریر اسلوبِ تحریر کا اندازہ ان فرامین وخطوط سے ہو سکتا ہے جو اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، افسوس ہے کہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا لطف ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتا۔ بیعت خلافت کے بعد تمام ملک میں جو مختلف فرامین بھیجے ہیں، ان میں سے ایک کے چند فقرے یہ ہیں:۔

انما بلغتم بالاقتداء والاتباع	اتباع اور اطاعت ہی سے تم کو یہ درجہ
فلا تلفتنکم الدنیا عن امرکم	حاصل ہوا ہے، پس دنیا طلبی تم کو تمہارے
فان امر هذا الامة صائر الی	مقصد سے برگشتہ نہ کرنے پائے، امت میں
الابتداع بعد اجتماع ثلث فیکم	تین اسباب کے مجتمع ہو جانے کے بعد بدعات
تکامل النعم وبلوغ اولادکم	کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ دولت کی
من السبایا وقراءة الاعراب	بہتات، لونڈیوں سے اولادوں کی کثرت
والاعاجم القرآن فان رسول الله صلی الله	اعراب اور اعاجم کا قرآن پڑھنا، رسول
علیه وسلم قال الکفر فی العجمة فاذا	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفر عجمیت
استعجم علیهم امر تکلفوا و	میں ہے کیونکہ وہ جب کوئی بات نہیں سمجھ
ابتدعوا۔	سکتے تو خواہ مخواہ تکلف کرکے نئی نئی باتیں
	گھڑ لیتے ہیں۔

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۷

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں :-

یوشکن أیمتکم ادا صیروا جباة	قریب ہے کہ تمہارے آئمہ نگہبان ہونے کے
ولا یکونوا دعاة فاذا عادوا	بجائے صرف تحصیلدار ہو کر رہ جائیں
کذالک انقطع الحیاء والامانة	جب ایسی حالت ہو جائے گی، تو حیا، امانت
والوفاء الا وان اعدل	اور وفاداری ناپید ہو جائے گی۔ ہاں بہتر
السیرة ان تنظروا الی امور	طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے نفع
المسلمین وفیما علیھم	نقصان کا خیال رکھو، ان کا حق ان کو دلاؤ
فتعطوھم مالھم وتاخذوا	جو ان سے لینا چاہیے وہ ان سے
منھم بالذی علیھم[1]	وصول کرو۔

تقریر برجستہ تقریر و خطابت کا ملکہ نہ تھا، چنانچہ مسند نشینی کے بعد پہلے پہل جب منبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاوری نہ کی، اور صرف یہ کہہ کر اتر آئے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ پہلے سے اس کے لیے تیار ہو کر آتے تھے، میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا، لیکن تم کو تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے آپ کی تقریر مختصر لیکن فصیح و موثر ہوتی تھی، ایک خطبہ کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں :-

ایھا الناس ان بعض الطمع	لوگو! بعض حرص و طمع احتیاج محض ہے اور
فقر وبعض الیاس غنی	بعض ناامیدی تو نگری و بے نیازی کے مترادف
وانکم تجمعون مالا	ہے تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جس سے متمتع نہیں
تاکلون وتاملون مالا	ہو سکتے اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں
تدرکون وانتم موجلون	ہو سکتی ہیں، تم لوگ اس دھوکہ کے گھر میں ایک
فی دار غرور۔	وقت مقررہ تک کے لیے چھوڑے گئے ہو۔

قرآن پاک حضرت عثمانؓ روایت کرتے تھے کہ قرآن کا پڑھنا یا پڑھانا سب سے افضل ہے۔[2] غالباً اسی لیے ان کو قرآن شریف سے خاص شغف تھا۔ دوسرے اکابر صحابہ کی طرح وہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے، اور چونکہ کاتب وحی رہ چکے تھے، اس لیے ہر آیت کی شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے واقف تھے۔ کہتے ہیں عہد

---

[1] یہ تمام عبارتیں طبری ص ۲۸۰۲۱ و ۲۸۰۳ سے منقول ہیں۔ [2] ابن حنبل جلد ۱ ص ۵۷۔

نبوت میں انھوں نے بھی ایک مصحف جمع کیا تھا۔ آیات قرآنی سے استدلال، استنباطِ احکام اور تفریع مسائل میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ قرآن پاک کو نومسلم قوموں کی تحریف سے بچانا ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ یہ واقعہ بھی ان کی فضیلت کا ایک باب ہے، کہ اس وقت بھی جب وہ دشمنوں کے نرغے میں تھے اور قاتل تیغ بکف ان کے سامنے تھے، وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔

حدیث شریف سلسلۂ احادیث میں دوسرے صحابہ کی بہ نسبت حضرت عثمانؓ سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں، آپ کی کل روائتوں کی تعداد ۱۴۶ ہے، جن میں تین متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں، اور آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف مسلم میں اس طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ حدیثیں ہیں۔

اِن کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ شاید دیگر صحابہ کے مقابلہ میں میرا حافظہ زیادہ قوی نہ ہو، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف وہ بات منسوب کرے گا، جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنائے[۲]۔ اسلیئے وہ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے۔ عبدالرحمن بن حاطب کا بیان ہے کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ پوری بات کرنے والا نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے[۳]۔

فقہ و اجتہاد حضرت عثمانؓ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ و علی مرتضیٰؓ کی طرح اکابر مجتہدین میں داخل نہیں تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل میں مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے مجتہد صحابہؓ کی طرح ان کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتب آثار میں مذکور ہیں، لوگ ان کے قول و عمل سے استناد کرتے تھے[۴]۔ خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل کے علم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا اس علم میں انکے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا درجہ تھا[۵]۔ شیخین کے عہد خلافت میں بھی حضرت عثمانؓ سے فتوے پوچھے جاتے تھے، اور پیچیدہ مسائل میں ان کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مکہ میں گئے، اور اپنی چادر ایک شخص پر جو خانۂ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا ڈال دی اتفاق سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا، انھوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کردے۔ اس کو اڑا دیا، کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا وہاں اسکو ایک سانپ نے کاٹ لیا، اور وہ اسی وقت مر گیا حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مسئلہ ہوا تو انہوں نے کفارہ کا فتویٰ دیا کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام میں پہنچانے کے باعث ہوئے تھے[۶]۔

---

[۱] نزہتہ الابرار قلمی ص ۱۸ کتب خانہ حبیب گنج [۲] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۶۵ [۳] ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۳۹ [۴] بخاری کتاب الغسل و مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۶۰، ۷۰ وغیرہ [۵] ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۴۱ [۶] مسند شافعی طبع آرہ ص ۷۹۔

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدعا علیہ تھے، اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے۔ یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت ولی کے قصاص کے بجائے دیت لینا قبول کیا، اور وہ رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دے کر بیت المال میں داخل کر دی۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے بعض اجتہادات سے بعض معاملات میں سہولت پیدا کر دی مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی[1]۔

ان کے بعض اجتہادی مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہؓ کو اختلاف بھی تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ چونکہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا، مثلاً آپ لوگوں کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لیے علیحدہ علیحدہ نیت کرنے سے اس بناء پر روکتے تھے کہ اس کے جواز کی علت اب باقی نہیں رہی، یعنی کفار کا خوف، لیکن حضرت علیؓ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے[2] اسی لیے حضرت عثمان کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حج کے موقع پر اقامت کی نیت کرلے تو اس کو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنی چاہیے حضرت علیؓ منیٰ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے، حضرت عثمانؓ حالتِ احرام میں نکاح کو ناجائز قرار دیتے تھے[3] کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اس کی ممانعت سنی تھی، لیکن حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے حضرت عثمانؓ اس زن مطلقہ کو جس کو طلاق بائن دی گئی ہو، حالتِ عدت میں وارث قرار دیتے تھے[4] کیونکہ ان کے خیال میں جب تک عدت پوری نہ ہو جائے، اس وقت تک ایک قسم کا رشتہ قائم ہے حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا حضرت عثمان کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حالتِ عدت میں کسی عورت سے نکاح کرے تو مستوجبِ سزا ہے، کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ایک شخص ان کے عہد میں اس کا مرتکب ہوا تو انھوں نے اس کو جلا وطن کر دیا[5] حضرت علیؓ اس کو کسی حد شرعی کا مستوجب نہیں سمجھتے تھے، غرض اس طرح بعض اور مسائل میں بھی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابۂ کرام کے درمیان اختلاف تھا، لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا۔ ان بزرگوں کی رواداری اور صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو رکعت نماز کی بجائے پوری چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے، لیکن میں عملاً امیر المومنین

[1] کتاب الخراج مصر ص ۹۲ [2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۶۱ [3] ایضاً ص ۶۸ [4] مسند شافعی طبع آرہ ص ۱۷۰
[5] نزہتہ الابرار قلمی ص ۱۴۱ کتب خانہ حبیب گنج

کی مخالفت نہیں کرونگا، چنانچہ خود بھی دو کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ "ہر شخص کو اختیار ہے جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے۔ میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا" بعض ناواقفوں نے حضرت عثمانؓ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا، تو فرمایا ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے ہم بیمار ہوتے تو آپؐ ہماری عیادت فرماتے۔ ہمارے جنازوں کے پیچھے چلتے ہم کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے کم و بیش جو کچھ ہوتا اس سے ہماری غم خواری فرماتے۔ اب ایسے لوگ ہم کو آپؐ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنہوں نے شاید آپؐ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔[1]

علم الفرائض حضرت عثمانؓ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا، اس لیے ان کو علم حساب سے ضرور دلچسپی رہی ہوگی جس کا ثبوت یہ ہے کہ فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے جس میں حساب کو بڑا دخل ہے مناسبت تھی، چنانچہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زیدؓ بن ثابت کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے قرآن شریف میں ذوالفروض اور بعض عصبات کا ذکر ہے۔ حضرت عثمانؓ اور زیدؓ بن ثابت نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دے کر موجودہ علم الفرائض کی عمارت قائم کی۔ یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس سے متعلق تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے۔ بعض صحابہؓ کو یہاں تک خوف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا رہے گا۔[2]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۹ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷

اخلاق وعادات

حضرت عثمانؓ فطرۃً عفیف، پارسا، دیانت دار اور راست باز تھے، حیا اور رحمدلی ان کی خاص شان تھی، ایام جاہلیت میں جب کہ عرب کا ہر بچہ مست شراب تھا، اس وقت بھی عثمانؓ ذوالنورین کی زبان بادۂ گلگوں کے ذائقہ سے ناآشنا تھی[1] اور جب کذب و افترا، فسق و فجور عالمگیر تھا، آپ کا دامن ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

خوفِ خدا | خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے، جو دل خدا کی ہیبت وجلال سے لرزاں نہیں، اس سے کسی نیکی کی اُمید نہیں ہو سکتی۔ حضرت عثمانؓ اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے تھے۔ موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا، سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے مقبروں سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔ لوگ کہتے کہ دوزخ وجنت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ انھیں دیکھ کر آپ بیقرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں، اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہوں گے[2]۔

حُبِّ رسولؐ | حضرت عثمانؓ تقریباً تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، اور آپ کی فدویت وجاں نثاری کا حق ادا کیا۔

آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ اتنی محبت وشیفتگی تھی کہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے، اور جب موقع ملا آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ ایک دفعہ چار دن تک آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ سے بسر کیا، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے، اور اسی وقت بہت سا سامانِ خورد و نوش اور تین سو درہم لا کر بطور نذرانہ پیش کیا[3]۔

احترامِ رسول | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، پھر اس کو نجاست یا محلِ نجاست سے مس نہ ہونے دیا، اہلِ بیت نبویؐ اور ازواجِ مطہرات کا خاص طور سے پاس وخیال تھا، چنانچہ اپنے عہدِ خلافت جب اصحاب وظائف کے رمضان کے روزینے مقرر کئے

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۲ [2] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۳ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶

تو ازواج مطہرات کا روزینہ سب سے دونا مقرر کیا[1]۔

اتباعِ سُنّت جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے اس محبت و ارادت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اپنے ہر قول وفعل یہاں تک کہ حرکات وسکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوبؐ آقا کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے متبسم ہوئے۔ لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا[2] ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے[3] ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح وضو فرمایا کرتے تھے[4] ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا، اور کھایا، اور بغیر تازہ وضو کیے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا، اور اسی طرح کیا تھا[5] حج کے موقع پر آپ اور ایک صحابی طواف کر رہے تھے، طواف میں انھوں نے رکن یمانی کا بھی بوسہ لیا حضرت عثمانؓ نے ایسا نہیں کیا، تو انھوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کا استلام کرانا چاہا حضرت عثمانؓ نے کہا یہ کیا کرتے ہو، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ انھوں نے کہا ہاں، کیا آپؐ کو اس کا استلام کرتے تم نے دیکھا؟ کہا نہیں، فرمایا پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا تو مناسب نہیں؟ انھوں نے جواب دیا بے شک[6]۔

حیاء شرم وحیا حضرت عثمانؓ کا امتیازی وصف تھا، اس لیے مورخین نے ان کے اخلاق وعادات کے بیان میں حیاء کا مستقل عنوان قائم کیا، آپ میں اس درجہ شرم وحیا تھی کہ خود حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس حیاء کا پاس ولحاظ کرتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے، زانوئے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا، اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو سنبھل کر بیٹھ گئے، اور زانوئے مبارک پر کپڑا برابر کر لیا۔ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے لیے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں[7]۔ اس قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہؓ بھی بیان فرماتی ہیں[8]

حضرت ذوالنورینؓ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

زھد حضرت عثمانؓ اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناتوانی اور ضعف پیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ انھوں

---

[1] طبری ص ۲۸۰۴ [2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۵۸ [3] ایضاً ص ۶۸ [4] ایضاً ص ۶۸ [5] ایضاً ص ۶۷، ۶۸ [6] ایضاً ص ۹۲

[7] ایضاً ص ۷۰، ۷۱ [8] بخاری ج ۲ مناقب حضرت عثمانؓ [9] مسند ابن حنبل ج ا ص ۷۱

نے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی، ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے، اور فاروق اعظمؓ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا نہیں کھا سکتے تھے، لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیئے کہ آپ عیش و تنعم کے گرویدہ تھے بلکہ انھوں نے باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی، اور نہ کبھی صرف زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں۔ قنز ایک خوش وضع رومی کپڑا تھا، جو عرب کا مطبوع عام لباس تھا، امرا تو امرا متوسط درجہ کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اسکو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو استعمال کرنے دیا

تواضع تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسوں لونڈی اور غلام موجود تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے، رات کو تہجد کے لیے اُٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو کا سامان کر لیتے، اور کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ فرماتے۔ اگر کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے۔ ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ نے اثنائے گفتگو میں حضرت عثمانؓ کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی۔ حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا، کہ عہدِ اسلام میں زمانہ جاہلیت کا تذکرہ ہے [1] اسی طرح ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی عثمانؓ! توبہ کر اور اپنی بے اعتدالیوں سے باز آ۔ حضرت عثمان نے اسی وقت قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اٹھایا اور کہا۔

اللھم انی اول تائب تاب الیک [2] — یعنی اے خدا میں پہلا توبہ کرنے والا ہوں جس نے تیری درگاہ میں رجوع کیا۔

ایثار آپ نے مسلمانوں کے مال میں ہمیشہ ایثار سے کام لیا چنانچہ اپنے زمانۂ خلافت میں ذاتی مصارف کے لیے بیت المال سے ایک حبہ نہیں لیا [3] اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔

حضرت عمرؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا، اس حساب سے حضرت عثمانؓ نے اپنے دوازدہ سالہ مدت خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گراں قدر رقم مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی جو در حقیقت ایثارِ نفس کا نمونہ ہے

فیاضی حضرت عثمانؓ عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے۔ اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا، چنانچہ انھوں نے اپنی فیاضی، اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس اُمت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔

مدینہ کے تمام کنویں کھاری تھے، صرف بیر رومہ جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا شیریں تھا۔

---

[1] طبری ص ۲۹۶۶ [2] ایضاً ص ۲۹۷۲ [3] ایضاً ص ۲۹۵۳۔

حضرت عثمانؓ نے رفاہِ عام کے خیال سے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا، اسی طرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور مسجد نبوی میں جگہ کی تنگی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمان نے ایک گراں قدر رقم صرف کرکے اس کی توسیع کرائی۔

آپ کی فیاضی کا سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپے کے صرف سے مجاہدین کو آراستہ کیا۔ یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جبکہ عام طور پر مسلمانوں کو عسرت اور تنگی نے پریشان کر رکھا تھا، اور دوسری طرف قیصر روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش دامنگیر تھی۔

مذکورہ بالا فیاضیوں کے علاوہ روزانہ جود و کرم اور صدقات وخیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے[1] بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے تھے۔ مسلمانوں کی عسرت وتنگ حالی سے ان کو دلی صدمہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک جہاد میں ناداری اور مفلسی کے باعث مسلمانوں کے چہرے اداس تھے اور اہلِ نفاق ہشاش بشاش ہر طرف اکڑتے پھرتے تھے، اسی رقت پر چودہ اونٹوں پر سامان خورد ونوش بار کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیں۔[2]

اعزہ اور احباب کے ساتھ حسنِ سلوک اعزہ اور احباب کے ساتھ مسلوک ہوتے تھے اور ان کی پرورش فرماتے تھے۔ آپ کے چچا حکم بن العاص کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو جلا وطن کر دیا تھا حضرت عثمانؓ نے بارگاہِ نبوت میں کوشش کرکے ان کی خطا معاف کرائی اور اپنے عہد میں مدینہ بلایا، اور خاص سے ان کی اولاد کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے[3] اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کرکے جہیز میں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح، عثمان بن ابی العاص، امیر معاویہؓ حضرت عثمان کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے، اور ان کے عہد خلافت میں ممتاز عہدوں پر متعین رہے۔

احباب کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا، ان کی ضرورت پر بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے، اور لیا اوقات واپس نہیں لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی، کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے[4]۔

---

[1] نزہۃ الابرار قلمی ص ام کتب خانہ گنج [2] کنز العمال ج ۶ ص ۴ ۳۷ [3] طبری ص ۲۹۵۴ ۔ [4] طبری ص ۳۰۳۷ ۔

صبر وتحمل صبر وتحمل کا پیکر تھے، مصائب و آلام کو نہایت صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط اور تحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا، وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ سینکڑوں وفاشعار غلام اور ہزاروں سعادت وانصار سرفروشی کے لیے تیار تھے، مگر اس ایوب وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی، اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لیے دنیا سے روپوش ہوگیا۔

مذہبی زندگی دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے، اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے تھے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے، اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے [۱]۔

دوسرے تیسرے دن عموماً روزہ رکھتے، کبھی کبھی مہینوں روزے سے رہتے، اور شب کے وقت صرف اس قدر کھا لیتے تھے کہ سدرمق کے لیے کافی ہو۔

ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے، خود امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے، خصوصاً ایام خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گزرا، البتہ جس سال شہید ہوئے اس سال محصور ہونے کے باعث نہ جا سکے۔

---

[۱] ابن سعد۔

ذاتی حالات

مسکن ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوسؓ بن ثابت کے مہمان ہوئے، اور غالباً عرصہ تک ان کے مکان میں مقیم رہے، اس کے بعد اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی کے قریب ایک محل تعمیر کرایا، جو عظمت و شان میں مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا۔ یہ جگہ بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مدینہ میں مشہور ہے اور کچھ حصہ مغربی حاجیوں کا زاویہ ہے، اور یہاں ایک کتب خانہ کتب خانہ سیدنا عثمان غنیؓ کے نام سے قائم ہے، مسجد نبوی کی پشت پر گلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر شہید سیدنا عثمانؓ کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

وسائل معاش معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، عرب میں کوئی ان سے بڑا دولتمند تاجر نہ تھا۔ اس غیر معمولی دولت و ثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا گیا تھا۔

جاگیر فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جو اس معرکہ میں شریک تھے جاگیریں عطا کی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے حصہ میں بھی ایک قطعۂ زمین آیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مختلف مقامات میں جائدادیں خریدی تھیں۔ مدینہ سے قریب مقام بقیع میں بھی ایک نہایت وسیع خطہ خریدا تھا، جس کو انھوں نے قبرستان کے لیے وقف فرمایا تھا۔

زراعت جہاں تک معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے، البتہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار میں سے دو ثلث کاشتکار کو ملتا تھا، اور صرف ایک ثلث آپ کا حق ہوتا تھا۔

غذا ضعف اور پیری کے باعث غذا عموماً نرم، ہلکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے، دسترخوان پر عموماً اعزہ و احباب کا مجمع رہتا تھا۔

صفائی مزاج میں لطافت اور طہارت تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل کیا کرتے تھے۔ (ابن حنبل ا ۔ ۷۲) ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتے تھے، اور عطر لگاتے تھے۔

لباس ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے، گو آپ اچھے کپڑے استعمال فرماتے تھے لیکن اس میں تکلفات کو دخل نہیں ہوتا تھا۔ ایسے کپڑوں سے نہایت پرہیز کرتے تھے، جس سے مزاج میں غرور، تکبر اور خود بینی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مطرف ایک خاص قسم کا رومی کپڑا تھا جو امرائے عرب میں عموماً نہایت مطبوع تھا لیکن انھوں نے اس کو کبھی استعمال نہیں کیا۔ اور نہ اپنی بیویوں کو پہننے دیا۔ تمام عمر پائجامہ نہیں پہنا، صرف شہادت کے وقت ستر

کے خیال سے پہن لیا تھا، عموماً تہ بند باندھا کیے۔ ایک تابعی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز منبر پر ان کو دیکھا تو جو موٹا تہ بندہ پہنے تھے، اس کی قیمت پانچ درہم (ایک روپے) سے زیادہ نہ تھی۔ [1]

حُلیہ صورۃً خوش رو اور خوبصورت تھے۔ [2] رنگ گندم گوں، قد معتدل، ناک بلند اور خم دار، رخسار پُر گوشت اور ان پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ۔ داڑھی گھنی اور طویل، سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے، یہاں تک کہ زلف کانوں تک پہنچتی تھی بعض روایات کے مطابق بالوں میں خضاب فرماتے تھے۔ دانت پیوستہ اور چمکدار تھے جنکو سونے کے تار سے باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا۔

ازواج واولاد مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، پہلی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں، حبشہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں۔ واپس آکر مدینۂ منورہ کی ہجرت میں شریک ہوئیں۔ یہاں ایک سال زندہ رہیں ۲ھ میں غزوۂ بدر کے موقع پر وفات پائی، ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا جس نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی صاحبزادی ام کلثومؓ سے ۳ھ میں نکاح ہوا، انھوں نے بھی نکاح کے چھ سات برس بعد ۹ھ میں وفات پائی، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اس کے بعد حسب ذیل نکاح کیے:۔

فاختہ بنت غزوان۔ ان کے بطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوا، عبداللہ نام تھا، لیکن وہ بھی بچپن ہی میں وفات پاگیا۔

ام عمرو بنت جندب۔ ان کے بطن سے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم پیدا ہوئے۔

فاطمہ بنت ولید۔ یہ حضرت عثمان کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ماں ہیں۔

ام البنین بنت عیینہ۔ ان سے عبدالملک پیدا ہوئے، انھوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی۔

رملہ بنت شیبہ۔ عائشہ، ام ابان، ام عمرو ان کے بطن سے تولد ہوئیں۔

نائلہ بنت الفرافصہ۔ شہادت کے وقت موجود تھیں، ان کے بطن سے مریم بنت عثمان پیدا ہوئیں۔

صاحبزادوں میں سب سے نامور حضرت ابان ہوئے، انھوں نے بنو امیہ کے عہد میں خاصا اعزاز حاصل کیا۔

رضی اللہ عنہ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۶ [2] ابن حنبل جلد اول ص ۷۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۶۔

امیر المومنین حضرت علی رضؓ مرتضیٰ

نام، نسب، خاندان | علیؓ نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدرؓ (شیر) لقب۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

خاندانِ ہاشم کو عرب اور قبیلۂ قریش میں جو وقعت وعظمت حاصل تھی وہ محتاجِ اظہار نہیں، خانۂ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا، اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علیؓ مرتضی کے والد ابوطالب مکہ کے نہایت ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی تھی، اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیرِ حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا۔ ابوطالب ہر موقع پر آپ کے لیے سینہ پر سپر رہے، اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ رکھا، مشرکینِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح تکلیفیں پہنچائیں۔ ایک گھاٹی میں اس کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، کھانا پینا تک بند کر دیا، غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحۂ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دستِ شفقت نہ اٹھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ ابوطالب کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جائے، اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو خدمت وحمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو۔ اس لیے ابوطالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمۂ توحید کی دعوت دی۔ ابوطالب نے کہا عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا۔[1] سیرۃ ابن ہشام میں حضرت

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۸

حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا۔ مگر یہ روایت کمزور ہے۔ بہرحال ابوطالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا تاہم انھوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت وحمایت کا فرض انجام دیا۔ اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکر گزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد نے بھی حضرت آمنہؓ کے اس یتیم معصوم کی، ماں کی طرح شفقت ومحبت سے پرورش کی۔ مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں، اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں۔ [1]

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ابوطالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے۔ قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا اس لیے رحمۃ اللعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت وپریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے، چنانچہ حضرت عباس نے حسب ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پُرنور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ رہے۔ [2]

اسلام حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربارِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔ چنانچہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو مصروفِ عبادت دیکھا۔ اس موثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی، اور کفر وشرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کی، اپنے والد

---

[1] ترجمہ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷، [2] زرقانی جلد ا ص ۲۸۰۔

ابوطالب سے اس کے متعلق دریافت کروں گا۔ چونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اعلانِ عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہی شامل ہوئی۔ اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی، اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ [1]

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کا خیال ہے حضرت زیدؓ بن حارثہ کا ایمان سب پر مقدم ہے، لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں، اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

مکہ کی زندگی اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے چونکہ وہ رات دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجمعوں میں کفار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبودِ حقیقی کی عبادت و پرستش کے موقعوں پر غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمینِ مکہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے۔ حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ وادیٔ نخلہ میں حسبِ معمول مصروفِ عبادت تھے، کہ اتفاق سے اس طرف ابوطالب کا گزر ہوا، اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ [2]

ایامِ حج میں مکہ کی سرزمین قبائلِ عرب کا مرجع بن جاتی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ

تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے [۱]

انتظام دعوت منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین برس تک علانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی، بلکہ پوشیدہ طریقہ خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے چوتھے سال اسلام کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں ...... اس کی تبلیغ کا حکم ہوا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ　　اپنے قریبی اعزہ کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے موافق کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوتِ اسلام کی صدا بلند کی، لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہو سکتا تھا۔ ابولہب نے کہا تبالک اسی لیے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؓ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی، لیکن انھوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا۔ دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد ۴۰ تھی حضرت حمزہ، عباس، ابولہب، اور ابوطالب بھی شریک ہوئے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر فرمایا، "یا بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ بولو، تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا، اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علی مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں تپلی ہیں، تاہم میں آپ کا یار اور دوست و بازو بنوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا تم بیٹھ جاؤ، اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا، حضرت علیؓ پھر اٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بار گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہ کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جان بازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ تم میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔ [۲]

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۸۴ [۲] تاریخ طبری صفحہ ۱۲۷۲ سہ روایت مسند ابن حنبل میں بھی بالاختصار مذکور ہے دیکھو جلد ۱ ص ۱۵۹

ہجرت بعثت کے تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے لیکن مشرکینِ قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا، اور آپ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو اسیرِ پنجۂ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضۂ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں، اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا دشمن بنا دیا، چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کاشانۂ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا سے رخصت کردیں، لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پرنور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے۔ اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتابِ رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا، اس لیے وحی الٰہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دے دی، اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا سرور کائناتِ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے فرش اطہر پر استراحت کا حکم دیا، اور خود حضرت ابو بکر صدیق کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

فدویت و جاں نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیئیس برس کی تھی، اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا فدویت و جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا، اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محوِ خواب رہا، غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی استراحت فرما ہیں۔ اور صبح ہوتے ہوتے اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے اندر آئے، لیکن یہاں یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے کہ شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے آپ کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر بکف سو رہا ہے [1] مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے، اور حضرت علی کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن تک مکہ میں مقیم رہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپؐ کا کاروبار اور لین دین تھا، اُن کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیرباد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ بھی انہی کے مکان میں جاکر فروکش [1] ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا، تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ [2]

تعمیرِ مسجد مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، بلکہ آزادی و حریت کی، سرزمین میں تھا جہاں ہر شخص علانیہ خدائے واحد کی پرستش کر سکتا۔ اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا، آپ نے اس کی بنیاد رکھی، اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریکِ کار تھے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اینٹ اور گارہ لا لا کر دیتے تھے، اور یہ رجز پڑھتے تھے۔ [3]

لا یستوی من یعمر المساجد	جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔ کھڑے ہو کر اور بیٹھ
یدأب فیہ قائماً وقاعداً	کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے
ومن یری عن الغبار	اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی
حائدا۔	چراتا ہے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

---

[1] ابن سعد تذکرۂ علیؓ ص ۱۳ [2] ایضاً ص ۱۴ [3] زرقانی جلد ا ص ۴۲۶

غزوات و دیگر حالات

غزوۂ بدر سلسلۂ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے۔ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے۔ ان میں سے ایک حیدر کرار کے ہاتھ میں تھا۔ جب رزمگاہِ بدر کے قریب پہنچے، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو چند منتخب جاں بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا۔ سترھویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی۔ قاعدہ کے موافق پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا۔ سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے۔ تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا، اور آگے بڑھے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ دو یثرب کے نوجوان ہیں، تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے، حمزہؓ، علیؓ، عبیدہؓ، تینوں اپنے اپنے حریفوں کے لیے میدان میں آئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کی، اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا۔ مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ شیر خدا نے صفیں الٹ دیں، اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمنِ ہستی کو جلا دیا۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے، اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مالِ غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے[1] مالِ غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی،

حضرت فاطمہؓ سے نکاح اسی سال یعنی ۲ھ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دامادی کا شرف بخشا، یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ زہرا سے نکاح کر دیا۔

---

[1] دیکھو سیرت ابنِ ہشام غزوۂ بدر۔

حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی۔ آپؐ نے ان سے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے، البتہ زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسّی ۴۸۰ درہم میں بیچا، اور قیمت لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں، اور خود نکاح پڑھایا، اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔[1]

رخصتی نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا، اور حضرت علیؓ ملکہ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔[2]

جہیز حضرت سیدہ زہراؓ کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا، اس کی کل کائنات یہ تھی ایک پلنگ ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوتِ ولیمہ حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدانہ تھی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا، جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوتِ ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا، لیکن حضرت حمزہؓ نے حالتِ نشہ[3] میں اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب سیخ بنا دیا۔ اس لیے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا، چنانچہ اسی سے دعوتِ ولیمہ کا سامان کیا، جس میں کھجور، جَو کی روٹی، پنیر، اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا، لیکن یہ اس زمانے کے لحاظ سے پُر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔[4]

غزوۂ اُحد ۳ھ میں اُحد کا معرکہ پیش آیا، شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں

[1] زرقانی جلد ۲ ص ۲ [2] اصابہ جلد ۸ ص ۱۵۸ [3] اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے [4] زرقانی جلد ۲ ص ۸

نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا، لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے۔ اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے اسی حالت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا۔ دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ اور آپؐ ایک خندق میں گر پڑے [۱] مشرکین اُدھر بڑھے، لیکن حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ان کو آپؐ کے پاس جانے سے روکا، اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے اس کے بعد حیدرؓ کرار نے بڑھ کر علم سنبھالا، اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی۔ مشرکین کے علمبردار، ابو سعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا شیرِ خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا، اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا۔ حضرت علیؓ کو اس کی بدحواسی اور بے بسی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔ [۲]

مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؓ چند صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے گئے حضرت فاطمہؓ نے زخم دھویا، اور حضرت علیؓ نے ڈھال میں پانی بھر بھر کر گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔ [۳]

بنو نضیر غزوۂ اُحد کے بعد ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث جلاوطن کیا گیا۔ حضرت علیؓ اس میں بھی پیش پیش تھے، اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا،

غزوۂ خندق ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا، اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا حضرت علیؓ نے چند جانبازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا۔ سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ نے اپنے کو پیش کیا۔ اُس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیرِ خدا نے کہا، لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا، اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا۔ اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے [۴]۔

کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کیے رہے، لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اور استقلال کے آگے اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا،

بنو قریظہ بنو قریظہ نے مُسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود اُن کے مقابلے میں قریش کا ساتھ دیا، اور

---

[۱] بخاری باب غزوۂ اُحد [۲] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۵ [۳] بخاری باب غزوہ اُحد [۴] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۸۔

تمام قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا۔ اس لیے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف توجہ کی۔ اس مہم میں بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا، اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کرکے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔[1]

بنوسعد کی سرکوبی ۔ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنوسعد یہودِ خیبر کی اعانت کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں، اس لیے حضرت علیؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انھوں نے ماہِ شعبان میں حملہ کرکے بنوسعد کو منتشر کر دیا، اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں لائے۔[2]

صلح حدیبیہ ۔ اسی سال یعنی ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابۂ کرامؓ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ مقامِ حدیبیہ میں معلوم ہوا، کہ مشرکینِ مکہ مزاحمت کریں گے۔ حضرت عثمانؓ گفتگو کے لیے سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ مشرکین نے ان کو روک لیا۔ یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی۔ حضرت علیؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی، تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا۔ اور طرفین سے مصالحت پر رضا مندی ظاہر کی گئی۔ حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انھوں نے حسبِ دستور هذا ما قاضی علیه محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے "رسول اللہ" کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو رسول اللہ صلعم ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارہ نہ کیا، اور عرض کی، خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے اس کو مٹا دیا۔ اس کے بعد معاہدۂ صلح لکھا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کا ارادہ ملتوی کرکے مدینہ واپس تشریف لائے۔[3]

فتح خیبر ۔ ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے، اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدور ہے۔ صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ

---

[1] زرقانی غزوہ بنی قریظہ [2] ایضاً جلد دوم ص ۱۸۷ [3] بخاری کتاب الصلح زرقانی باب غزوۂ حدیبیہ۔

کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پہ ہوتا، لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کرار کے لیے مقدر ہوچکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپؐ نے علیؓ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بلا کر اُن کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی [۱]۔

مرحب اس کے بعد علم مرحمت فرمایا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیا میں لڑکر ان کو مسلمان بناؤں؟ فرمایا، نہیں، بلکہ پہلے اسلام پیش کرو، اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو، کیونکہ تمہاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہوگیا تو وہ تمہارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے [۲]۔

لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست، ذلت، اور رسوائی لکھی تھی، اس لیے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، اور ان کا معزز سردار مرحب بڑے جوش وخروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب — شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں — مسلح پوش ہوں بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں۔

اذ الحروب اقبلت تلھب

جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبر اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ — کلیث غابات کریہ المنظرہ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے — جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا

اوفیھم بالصاع کیل السندرہ

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں

اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا [۳]۔

اس کے بعد حیدر کرارؓ نے بڑھ کر قلعہ پر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کر لیا،

مہم مکہ رمضان ۸ھ میں مکہ پر فوجکشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے تھے، کہ معلوم

---

[۱] ایضاً کتاب المغازی غزوہ خیبر [۲] ایضاً [۳] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرد وخیبر ۱۲

ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہوگئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا، یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے، اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا، پہلے تو اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی، لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے حوالہ کر دیا، اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا، اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے پوچھا، یہ کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے عرض کی، حضور فردِ جرم قرار دینے سے قبل اصل حالات سن لیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، صرف ان کا حلیف ہوں، اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں، جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے، تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں۔ یہ خط لکھا تھا حاشا و کلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو قبول کیا، اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انھوں نے سچ بیان کیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی، انھوں نے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجازت دیجیئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں آپؐ نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں۔ [1]

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ روانہ ہوئے، اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے۔ ایک علم حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا، اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل	یعنی آج شدید جنگ کا دن ہے، آج
الکعبۃ	حرم میں خونریزی جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، نہیں ایسا نہ کہو، آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں، چنانچہ وہ کدائی

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [2] ایضاً۔

جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ [۱] اور مکہ بلاکسی خونریزی کے تسخیر ہوگیا اور وہ وقت آگیا کہ خلیل بُت شکن کی یادگار (خانۂ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے، جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا، اور خانۂ کعبہ کے گرد جس قدر بُت تھے، سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت فرماتے جاتے تھے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا، پھر خانۂ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کی مورتوں کو الگ کردیا اور تطہیر کعبہ اندر داخل ہوئے [۲] لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتوں سے اٹا ہوا تھا اس لیے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بُت باقی رہ گیا۔ یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا، اس لیے بہت بلندی پر تھا۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے، اس لیے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شانۂ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا، اور انھوں نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی پاش پاش کرڈالا، اور خانۂ کعبہ کی کامل تطہیر ہوگئی۔ [۳]

ایک غلطی کی تلافی فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو بنو جذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیئے روانہ فرمایا۔ انھوں نے توحید کی دعوت دی، بنی جذیمہ نے اسے قبول کیا، لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کرسکے، اور اسلمنا یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کے بجائے صبانا صبانا یعنی ہم دین ہوگئے، کہنے لگے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کا منشا نہ سمجھ کر سب کو قید کرلیا، اور بہتوں کو قتل کرڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو نہایت متاثر ہوئے، اور حضرت علیؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیئے روانہ فرمایا۔ انھوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرادیا، اور مقتولین کے معاوضہ میں خوں بہا دیا۔ [۴]

غزوۂ حنین فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوۂ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا، اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی، لیکن جب وہ مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پاکر پھر اچانک

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [۲] ایضاً [۳] حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا ہے، لیکن فتح مکہ کے بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور قرین عقل ہے۔ ہجرت کی ایسی نازک رات میں جب کہ جان خطرہ میں تھی، ایسے بڑے اور خطرناک کا کام کاانجام دینا بعید از قیاس ہے۔ دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ [۴] فتح الباری ج ۸ ص ۴۶ ۔

حملہ کر دیا۔ مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے۔ ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے، بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا، اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا، اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے، وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی [1]۔

اہلِ بیت کی حفاظت | ۹ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہلِ بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ شیرِ خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا ہی، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا: "علیؓ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا۔ [2]

تبلیغ فرمانِ رسولؐ | غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا، اسی اثناء میں سورۂ برات نازل ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورۃ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیئے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا، کہ وہ مکہ جا کر اس سورۃ کو سنائیں، اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ کوئی شخص برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے۔ اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عہد ہے، وہ مدت معینہ تک باقی رہے گا [3]۔

مہم یمن اور اشاعتِ اسلام | تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مہمیں روانہ فرمائیں، ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے لیکن چھ مہینے کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے رمضان ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں ان لوگوں کے جھگڑوں

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۷ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۹ [2] بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؓ
[3] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۳ تا ۲۴۳۔

کا فیصل کرنا میرے لیے نہایت دشوار کام ہوگا" اے اللہ اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور فرما" حضور اقدس نے دعا فرمائی اور اس کے بعد خود اپنے دست اقدس سے ان کے فرق مبارک پر عمامہ باندھا، اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ [1]

حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بالکل بدل گیا، جو لوگ حضرت خالدؓ کی چھ مہینہ کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے، وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے، اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔ [2]

حج الوداع میں شرکت اسی سال یعنی ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا حضرت علیؓ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

صدمۂ جانکاہ حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت علیؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا۔ ایک روز باہر آئے۔ لوگوں نے پوچھا اب حضور انورؐ کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا۔ حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں۔ آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں حضرت علیؓ نے کہا میں عرض نہیں کروں گا۔ اگر خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔ [3]

دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔

حضرت علیؓ چونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین تھے اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔ [4] انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خلیفۂ اول کی بیعت، توقف کی وجہ سقیفۂ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی، البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی، لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ اختراع کر لیے ہیں لیکن صحیح یہ ہے

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۱۲۲ [2] فتح الباری ج ۸ ص ۵۲ [3] صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم [4] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۱

کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنادیا تھا، اور تمام معاملات سے قطع تعلق کرکے وہ صرف ان کی تسلی و دلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے، چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوگیا، اس وقت انھوں نے خود حضرت ابوبکرؓ سے اُن کے فضل کا اعتراف کیا، اور بیعت کرلی۔[1]

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی، اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں اُن کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا، لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبارِ خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے[2] اتحاد و یگانگت کا آخری مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتۂ مصاہرت قائم ہوگیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ وفساد شروع ہوا، تو حضرت علیؓ نے اس کے رفع کرنے کے لیے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انھوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کردیا، کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے، پھر اُن سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علی مرتضیٰؓ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے لیکن حضرت عمرؓ نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھتا، برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں، آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کاروائیاں کرتے ہیں، اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں، وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تعمیل ہے۔ اسطرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑا۔[3]

سب سے آخر میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے اصرار کیا، کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرادیں، اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کرکے واپس کردیں۔ پہلے تو انھوں نے انکار کیا لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہوکر درمیان میں پڑے، اور

---

[1] بخاری غزوۂ خیبر [2] تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۰۷ و طبری فتح المقدس [3] تاریخ طبری ص ۲۹۳۸۔

حضرت عثمانؓ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر انقلاب پسندوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس کر دیا[1] مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جس میں حاکم مصر کو اس غداری سے غضب ناک ہو کر پھر مدینہ واپس آئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا، اور دوسری طرف سے دربارِ خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا، حضرت علی نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر اس کی حقیقت دریافت کی، انھوں نے اس سے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی، حضرت علیؓ نے کہا، مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی، لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزلت نشین ہو گئے۔

مصریوں نے جوشِ انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا، تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے، وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے، اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے، جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پرواہ نہ کی، اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے۔[2]

محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا، تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا کہ شہادت تک نوبت پہنچے گی۔ وہ سمجھے کہ جس طرح حق حقوق طلبی کے متواتر سلسلے ہو چکے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیج دیا، جنھوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے، لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفۂ وقت کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے، اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے، ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی حضرت

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۶ [2] طبری ص ۳۰۱۰

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو مارا، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بُرا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

بیعت خلافت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا۔ انھوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا، لیکن آخر مہاجرین وانصار کے اصرار پر مجبور ہو کر یہ بارگراں اٹھانا پڑا[1] اور واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ دو شنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں جناب مرتضیٰؓ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشینِ خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف اُن کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھیں، جو اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں، اندر آئے۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انھوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا، جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد ابن ابی بکرؓ شریک نہ تھے بغرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن شہادت کے قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لیے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصل سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں، اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے۔ اس لیے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا۔ عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا، اور سہل کو حکومتِ شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو واپس مدینہ جانے پر مجبور کیا۔ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۵۳۔

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لیے یا تو میری اطاعت کرو، یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا، اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، کے بعد مکتوب الیہ کا نام اور اپنا نام لکھا قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں، اور انھوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لیں گے۔ اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔ قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفر عبسی نے اس کے جواب میں کہا۔ تمہارا بُرا ہو، کیا تم مہاجرین انصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو، خدا کی قسم نہ تو قمیصِ عثمان قمیصِ یوسفؑ ہے اور نہ معاویہؓ کو یعقوب کی طرح غم ہے۔ اگر شام میں اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرا قضیہ پیدا ہو گیا، یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے، ان سے حالات دریافت کیے، تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے، لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے۔ یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں۔ لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے، اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے تم لوگ خلیفۂ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو، اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ[1]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ وفساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہ وزبیرؓ بھی حضرت علی سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے۔ انھوں نے بھی شور وغوغا کی داستان سنائی۔ ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی، اور انھوں نے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بدنظمی پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعدا کو اپنا معاون و

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۳ [1] طبری ص ۳۰۹۸۔

انصار بنانا، اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال وحکام کو برطرف کردینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لیے کافی تھا۔ انہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کردیا۔ چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ عبداللہ بن عامر حضرمی والئ مکہ مروان بن حکم، سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہوکر مکہ میں پناہ گزین تھے، نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتد بہ جمعیت فراہم کرکے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کرکے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نو آبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کرکے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔

سفرِ عراق | حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا، تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہلِ عراق کو وفاداری کا سبق دیں۔ انصارِ کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے، اور حضرت عقبہ بن عامرؓ نے جو بڑے پایہ کے صحابی تھے اور غزوۂ بدر میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ چکے تھے۔ انصار کی جانب سے گذارش کی کہ دار الخلافہ کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں، لیکن انھوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا۔ اگر اس وقت خالدؓ، ابوعبیدہؓ سعد وقاصؓ ابوموسیٰ اشعریؓ نے شام وایران کو تہ وبالا کردیا تھا، تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، یہ صحیح ہے، لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی۔ وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نو آبادی ہے، وہاں کے بیت المال بھی مال وزر سے پُر ہیں، اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے، اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفرِ عراق کے لیے تیار ہوجائیں، چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً تمام اہلِ مدینہ ہمرکاب ہوئے۔ ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سبقت کرکے بصرہ پہنچ گئے ہیں، اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

حضرت امام حسنؓ کا سفرِ کوفہ | یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا، اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکزِ خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔ حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والئ کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے

تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا، وہ اب سر پر ہے۔ اس لیے ہتھیار بیکار کر دو، اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔ اس اثناء میں حضرت امام حسن رضی مسجد میں داخل ہوئے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو، اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعدت پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسن رضی کی تائید کی، اور کہا صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے، اس دعوت کو قبول کرو، اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کرو۔ میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔ غرض حضرت امام حسن رضی اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علی رضی کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت و فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسن رضی کے ساتھ روانہ ہوئی، اور مقام ذی قار میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی۔ جناب امیر رضی نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا۔ اس وقت بصرہ کا حال یہ تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا۔ ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علی رضی کا طرفدار تھا، اور تیسرا حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ رضی وغیرہ کا حامی۔ خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی، بلکہ ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے، اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ صلح کی گفتگو ترقی پر تھی، اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے، اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی۔ حضرت علی رضی کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمان رضی کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا، اور حضرت عائشہ رضی کی طرف کچھ اموی تھے۔ حضرت عثمان رضی کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی، تو ان کی خیر نہیں اس لیے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہ کی فوج پر شب خون مارا۔ گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا، ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اونٹ

پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئیں، کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں. حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا، مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا، وہ کب رک سکتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی وجہ سے انکی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا قلب فوج میں انکا ہودج تھا، محمد بن طلحہ سواروں کے افسر تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگ جمل دورانِ جنگ میں حضرت علیؓ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے، اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا، ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی، ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یاد کرو! اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے" حضرت زبیرؓ نے جواب دیا "ہاں مجھے بھی یاد آیا"[1]۔

یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے، اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے فرمایا "جان پدر، علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جنگ کا جوش فرو ہو گیا" بے شک ہم حق پر نہیں ہیں اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا، تم بھی میرا ساتھ دو" لیکن حضرت عبداللہؓ نے انکار کیا، تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لیکر کسی طرف نکل جائیں، حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا۔ مروان ابن حکم کو معلوم ہوا تو اس نے حضرت طلحہؓ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا۔ زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا۔ اب میدانِ جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جاں نثار فرزند رہ گئے۔ جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی۔ دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ ام المومنینؓ زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں۔ نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرا رہے تھے۔ بکر بن وائل، ازد اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش، ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار کو حیرت تھی۔ عبداللہ بن زبیرؓ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے، وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ بصرہ کا شہسوار عمرو بن بجرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶ ؛ [2] طبری، ۳۱۸۴ ؛ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۶۹۔

کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا، اور ابن بجرہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:۔

یا امنا یا خیر ام نعلم   والام تغذو ولدھا وترحم

اے ہماری بہترین ماں، اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے

الا ترین کم جواد تکلم   وتختلی ھامتہ والمعصم

کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کیے جاتے ہیں، اور ان کی کھوپڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے۔

آخر کار حضرت علیؓ کی فوج کے مشہور شہسوار احارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، اور تھوڑی دیر تک تیغ وسنان کے رد و بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔

اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سدِ سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے، اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا، اس نے پشت نہیں پھیری، اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا۔

الموت احلی عندنا من العسل	نحن بنو ضبۃ اصحاب الجمل
موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے	ہم ضبہ کی اولاد، اونٹ کے محافظ ہیں
نحن بنو الموت اذا الموت نزل	ننعی ابن عفان باطراف الاسل
ہم موت کے بیٹے ہیں، جب موت اترے	ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزوں سے پھیلاتے ہیں

ردوا علینا شیخنا ثم بجل

ہمارے سردار ہم کو واپس کردو تو پھر کچھ نہیں

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا، مسلمانوں کی خونریزی رک نہیں سکتی۔ اس لیے آپؓ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جاکر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی، اور حضرت علیؓ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں، اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں۔ پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ کے پاس حاضر ہوکر مزاج پرسی کی، اور بصرہ میں چند دن تک آرام وآسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت واحترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف

و معزز خواتین کو، پہنچانے کے لیے ساتھ کیا، اور رخصت کرنے کے لئے خود چند میل تک ساتھ گئے، اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لئے بھیجا۔ حضرت عائشہ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں، ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے۔ غرض پہلی رجب ۳۶ھ سنیچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا، اور ۱۲ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخلِ شہر ہوئے۔ اہلِ کوفہ نے قصرِ امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا، لیکن زہد و قناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا، اور فرمایا کہ عمر بن الخطاب نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لیے بس ہے، چنانچہ میدان میں قیام فرمایا، اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی، اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاء و پرہیز گاری اور وفا شعاری کی ہدایت کی۔

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی، اور دارالحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں، مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبویؐ کی جو توہین ہوئی، اس نے علیؓ مرتضیٰ کو مجبور کیا، کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے طرفداروں اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی۔ گو حضرت علیؓ نے مدینہ کو سیاسی شر و فتن سے بچانے کے لئے عراق کو دارالحکومت بنایا تھا، اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہ ہوا۔ اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور خود حضرت علیؓ مرکز اسلام سے دور ہو گئے، جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لیے مضر ثابت ہوا، بہرحال حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سرِ نو نظم و نسق قائم کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی۔ مدائن پر یزید بن قیس۔ اصفہان پر محمد بن سلیم۔ کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی سجستان پر ربعی بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا۔ خلید خراسان پہنچے، تو ان کو خبر ملی کہ کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرادی ہے۔ چنانچہ انھوں نے نیشاپور پر فوج کشی

کرکے بغاوت فرو کی، اور اس کو بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا۔ جناب امیرؓ نے اس کے ساتھ نہایت لطف وکرم کا برتاؤ کیا، اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسنؓ سے نکاح کر دیں۔ اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو۔ اگر خود جناب امیرؓ اپنے عقدِ نکاح سے مشرف فرمائیں، تو بطیبِ خاطر حاضر ہوں۔ حضرت علیؓ نے انکار کیا اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے، اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرہ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا۔ اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کرکے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا۔ اشتر نے موصل میں قیام کرکے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

صلح کی دعوت اگرچہ حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم آپ نے اتمام حجت کے لیے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریرؓ بن عبداللہ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ جریر ایسے وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں روسائے شام کا مجمع تھا۔ امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا، پھر بہانگ بلند حاضرین کو سنایا۔ بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا:-

> "تم اور تمہارے زیرِ اثر جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مجھے مہاجرین وانصار نے اتفاقِ عام سے منصبِ خلافت کے لیے منتخب کیا ہے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کریگا، وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائیگا۔ پس تم مہاجرین وانصار کا اتباع کرو، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکا اور فریب ہے۔"

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے۔ اس طویل حکومت نے ان کے دل میں

استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی جس کے حصول کے لیے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آسکتا تھا نیز حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی، حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہؓ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے، بہت سے قبائلِ عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے، لیکن امیر معاویہؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا، بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لیے ان کے دست و بازو بن گئے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا عہدہ لے کر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے، اور پہلے حضرت علیؓ کی طرف مائل تھے، آپ سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ عبید اللہ بن عمرؓ جنھوں نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک پارسی نو مسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا، اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا، حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہؓ کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے ایک اور نامور مدبر زیاد بن امیہ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اکابر شام کی پہلے ہی سے ان کو تائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انھوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے، ملک شام میں پھیلایا، ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس واقعہ کی اشاعت کے لیے خطیب مقرر کیے، دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں کی نمائش کی جاتی تھی [1]۔ ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا، اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا۔ ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد نجی کے طور پر گذارش کی کہ اگر عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں کہ فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں۔ جناب امیرؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بآنگ بلند کہا "ہم سب عثمان کے قاتل ہیں" ابو مسلم

---

[1] طبری ص ۳۲۵۵۔

نے متعجب ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کرلی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آجائیں۔ حضرت عثمانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی۔ عمروؓ بن العاص کو علیحدہ لکھا کہ "دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو"۔ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی۔ گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی، لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی۔ اس لیے مصالحت اور خانہ جنگی کے سدباب کی تمام کوششیں ناکام رہیں، اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، تمام عمال وحکام کو دور دراز حصصِ ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدودِ شام کا رُخ کیا۔

معرکۂ صفین جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوا تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالاعور سلمی نے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، علوی فوج کے افسر زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اسی اثناء میں اشترؓ نخعی کمک لے کر پہنچ گئے۔ ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے۔ اس لیے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو ہٹالیا، اور امیر معاویہؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی۔ انھوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا، اور پیشقدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے۔ گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لئے کشمکش ابوالاعور نے اس حکم کی تعمیل کی، چنانچہ حضرت علیؓ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی۔ حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کرلیا جائے۔ چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لیے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ حضرت علیؓ کی فوج پیش دستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا۔ ابوالاعور نے دیر تک ثبات واستقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، عمروؓ بن العاص نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی، لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا۔ آخر کار شامی دستہ کے پاؤں اکھڑ گئے، اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہوگیا۔ اب جو وقت

امیر المومنینؓ کی فوج کو ہوئی تھی، وہی امیر معاویہؓ کو پیش آئی۔ لیکن جناب مرتضیٰؓ کی حمیتِ انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا، اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی لہٰ چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں، اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہوگیا کہ دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہوگئی، یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔

میدانِ جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لئے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی، دونوں طرف علمائ فضلا اور حفاظِ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی، جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی، اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا، اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی اس اثناء میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا، لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے، لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی، اور جمادی الآخری کے شروع سے جنگ چھڑ گئی۔

آغازِ جنگ لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدانِ جنگ میں اترتی تھی، اور کشت و خون کے بعد اپنے فرودگاہ پر واپس جاتی تھی۔ فوج کی کمان حضرت علیؓ خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن المعمر، زیاد بن النضر، زیاد بن حصفہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس، اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے۔ یہ سلسلہ جمادی الاخریٰ کی آخر تاریخوں تک جاری رہا، لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعتہً دونوں طرف سے جنگ رک گئی اس التواء سے خیر خواہانِ امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا، چنانچہ حضرت ابو الدرداؓ اور حضرت ابو امامہ باہلیؓ نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی۔

حضرت ابو دردا: "تم علیؓ سے کیوں لڑتے ہو؟ کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟"

امیر معاویہؓ: "میں عثمانؓ کے خونِ ناحق کے لیے لڑتا ہوں"

حضرت ابو درداؓ: "کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟"

امیر معاویہؓ: "قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور امیر معاویہؓ کی شرط سے مطلع کیا، اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔" حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے، اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۷ھ تک طرفین سے سکوت رہا، اور کوئی قابلِ ذکر معرکہ پیش نہ آیا۔ آغازِ صفر سے پھر از سرِ نو جنگ شروع ہو گئی۔ اور اس قدر خون ریز لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پُر جوش تقریر کی، اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لئے ابھارا، تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر پر لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور کا حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، حیدرِ کرارؓ خود فوج کے آگے تھے، اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے۔ آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

اضربهم ولا اری معاویة ‏ / ‏ الجاحظ العین العظیم الحاویه

"قریب پہنچ کر پکار کر کہا!" معاویہ، خلقِ خدا کا خون کیوں گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں۔"

اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسبِ ذیل مکالمہ ہوا۔

عمرو بن العاصؓ: بات انصاف کی ہے۔

امیر معاویہؓ: خوب! کیا انصاف ہے؟ تو جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔

امیر معاویہؓ کے اعراض پر عمرو بن العاصؓ خود شیرِ خدا کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ دیر تک دونوں میں تیغ و سناں کا رد و بدل ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے

سلامت بچنا ناممکن ہوگیا۔ عمرو بن العاص اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہوگئے فاتح خیبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی، چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت و خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں آپ اپنی نظیر ہے۔ صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا، کہ نعروں کی گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کرہ ارض تھرا رہا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہوگئی حضرت علیؓ نے اپنے طرف داروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا "جانبازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اسوقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس قطعی فیصلہ نہ ہو جائے"۔

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت نہایت جانبازی شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا، لیکن لیلۃ الہریر کی جنگ سے انھیں بھی یقین ہوگیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے۔ اشعث ابن قیس نے علانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا، اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا۔ رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے۔ اسی طرح ایرانی دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے۔ تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہ کے چہرہ پر گڑ گئیں، اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے جناب مرتضیٰؓ کو لکھا کہ اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے۔ بہرحال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے۔ لیکن اب علی کرم اللہ وجہہ نے مصالحت سے انکار کر دیا، اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے، لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے کہا، اب ایک

ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا، یا علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدانِ جنگ میں آئی۔ آگے آگے دمشق کا مصحفِ اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا، اور اس کو پانچ آدمی بلند کئے ہوئے تھے، اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآنِ پاک تھا، اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعیؓ نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا، تو قلب سے فضل بن ادہم، میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا گروہ عرب خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے، دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔ اسی طرح ابوالاعور سلمی اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکرِ حیدری کے قریب آئے، اور بہ بانگِ بلند کہا: اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا، لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہو گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے، ہم کو اس دام تزویر سے بچنا چاہیئے۔ کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور، اور خالد بن المعمر نے بھی امیر المومنین کی تائید کی، اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انھوں نے کچھ پروا نہ کی، لیکن جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا، اس لیے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے، اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہو گی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی بلکہ خود جناب امیرؓ کا مقابلہ کرے گی مسعر بن فدکی زید بن حصین سنبسی اور ابن الکواء اس جماعت کے سرگروہ تھے۔ اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کی، امیر المومنینؓ میں جس طرح کل آپ کا جاں نثار تھا، اسی طرح آج بھی ہوں، لیکن میری رائے بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیئے۔ غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰؓ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا۔ اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے۔ اس لیئے واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا، اور فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن فدکی اور ابن الکواء وغیرہ میں جنھوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا، نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب

تھا کہ باہم کشت وخون کی نوبت پہنچ جائے، لیکن جناب امیرؓ نے درمیان میں پڑ کے معاملہ کو رفت و گذشت کر دیا

التوائے جنگ کے بعد دونوں فریق میں خط وکتابت شروع ہوئی، اور طرفین کے علماء وفضلائ کا اجتماع ہوا اور بحث ومباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے۔ شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام لیا۔ حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا۔ لوگوں نے کہا، عبداللہ بن عباسؓ اور آپ تو ایک ہی ہیں۔ حکم کو غیر جانب دار ہونا چاہیے۔ اس لیے جناب امیرؓ نے دوسرا نام اشتر نخعی کا لیا۔ اشعث بن قیس نے برافروختہ ہو کر کہا: "جنگ کی آگ اشتر نے ہی بھڑکائی ہے، اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو، ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے، اس وقت تک ہم اسی کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے کہ جسکی رائے یہ ہے اسکا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔" حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابوموسیٰؓ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں تو تحمل وبردباری کے ساتھ فرمایا: "جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں۔"

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا، اور دونوں فریق کے ارباب حل وعقد ایک عہدنامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے۔ کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ہذا ما قاضی علیہ امیر المومنین، امیر معاویہؓ نے اعتراض کیا کہ اگر میں امیر المومنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے۔ لیکن احنف بن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا۔ فدائے رسولؐ نے کہا، خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے، صلح حدیبیہ (ذوقعدہ ۶ھ) میں "رسول اللہ" کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا، اس لیے جس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا، اس طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں، غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سربرآوردہ آدمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے۔

علیؓ، معاویہؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاص قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے مطابق جو فیصلہ کریں گے، اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس وپیش نہ ہوگا۔ اس لیے دونوں حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن

اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں، اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں، حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا، اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی، ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں۔

خارجی فرقہ کی بنیاد معاہدہ تیرھویں صفر ۳۷ھ چہار شنبہ کے روز ترتیب پایا۔ اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سناتے ہوئے جب عنزہ کے فرودگاہ پر پہنچے، تو دو آدمیوں نے کھڑے ہوکر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں، اور غضب ناک ہوکر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کا فیصلہ کا حق نہیں، اور غضب ناک ہوکر شامی فوج پر حملہ کر دیا، اور لڑکر مارے گئے۔ اسی طرح قبیلہ مراد اور بنو راست اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا۔ بنو تمیم کے ایک شخص عروہ بن اویہ نے اشعث سے سوال کیا کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہاں جائیں؟ اور غضب ناک ہوکر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا، بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس معاہدے کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی۔ محرز بن قیس نے عرض کی، امیر المومنین! اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام برا نہ ہو۔" غرض ایک معتدبہ جماعت نے اسکو ناپسند کیا، اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کردی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا، بالاتفاق حکمین کے لئے اجلاس کا مقام منتخب کیا، اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت کردی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ جو فوج گئی تھی، اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سعد بن وقاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ بھی جو اپنے ورع و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں آئے، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انھیں یقین ہوگیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے اسی وقت علانیہ پیشین گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا۔

بہر حال دونوں حکم حسب قرار داد گوشۂ خلوت میں مجتمع ہوئے۔ عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ان کی غیر معمولی تعظیم و توقیر شروع کی۔ تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے۔ اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

ابو موسیٰؓ! عمروؓ! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو، جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے۔

عمرو بن العاصؓ۔ وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے۔ ان کو منصب خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے۔

عمرو بن العاصؓ۔ معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟

ابو موسیٰؓ۔ معاویہؓ نہ تو اس منصبِ جلیل کے لیے موزوں ہیں، اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے۔ ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروقِ اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے، اور عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمرو بن العاصؓ۔ میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی۔ فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابو موسیٰؓ۔ بیشک تمہارا لڑکا صاحب فضل و منقبت ہے، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب ابن الطیب عبداللہ بن عمرؓ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے، بس آؤ! ان ہی کو مسند خلافت پر بٹھا دیں۔

عمرو بن العاصؓ۔ ابو موسیٰؓ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے، جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابو موسیٰؓ۔ عمروؓ! تمہارا برا ہو، کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاص۔ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰؓ۔ ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں، اور مسلمانوں کی مجلسِ

شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمرو بن العاصؓ۔ مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورۂ بالا قرار داد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبداللہ ابن عباسؓ نے ابو موسیٰؓ کے پاس جا کر کہا: خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا۔ وہ نہایت غدار ہے۔ کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے"۔ ابو موسیٰؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں۔ انھوں نے عرض کی" میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت میں، سن و سال میں، غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں"۔

حضرت ابو موسیٰؓ پر عمرو بن العاصؓ کا جادو چل گیا۔ چنانچہ آپ بغیر پس و پیش کے کھڑے ہو گئے، اور حمد و ثناء کے بعد کہا: "صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا، اور پھر نئے سرے سے مجلسِ شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا۔ وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے"۔ ابو موسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اترا آئے، تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا" صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰؓ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے، اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے، یہ کیا بے ایمانی ہے۔ سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپتا ہے۔ انما مثلك كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا اور آپ پر چار پائے بر و کتابے چند کی مثل صادق آتی ہے۔ مثلك كمثل الحمار يحمل اسفارا۔ عمرو بن العاصؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہوئی۔ شریح بن ہانی نے عمرو ابن العاصؓ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا۔ اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا، لیکن بات بڑھنے نہ پائی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت گزشت کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ اسی

وقت مکہ روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی پہلے گزر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان وانصار میں سے ایک معتدبہ جماعت نے ناپسند کیا تھا۔ چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ واپس تشریف لائے تو اس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً ۱۲ ہزار آدمیوں نے لشکرِ حیدری سے کنارہ کش ہوکر حروراء میں اقامت اختیار کی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لیے بھیجا انھیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے، اور مناظرہ ومباحثہ کے بعد راضی کرکے سب کو کوفے لے آئے۔ یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان کی خاطرداری کے لیے تحکیم کو کفر تسلیم کرکے اس سے توبہ کی ہے۔ حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی، اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کرکے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کردوں۔ خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا، حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے لاحکم الا للہ یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے، اور ایک شخص نے سامنے آکر نہایت بلند آہنگی سے کہا،

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (زمر-۷)	اے محمد تم اور تمہارے قبل انبیاء پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمہارے سب اعمال بیکار ہوجائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگے۔

حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ (روم-۶)	تو صبر کر، خدا کا وعدہ حق ہے، اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے، وہ تیرا استخفاف نہ کریں۔

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کرلی۔ دومۃ الجندل کی تحکیم کا افسوسناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا، تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰؓ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے۔ وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیا

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں، اور اس عقیدے سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے۔ چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ اسی طرح ام سنان اور صیداویہ کو مشق ستم بنایا، اور جو انھیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت علیؓ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافتِ حال کے لیے بھیجا خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

جناب مرتضیٰؓ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے، لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی، تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لیے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔

معرکۂ نہروان نہروان پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ اور قیس بن سعدؓ بن عبادہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں۔ جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا، لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے تھے اس لیے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے، اور جناب امیرؓ نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شبث بن ربعی، پیادہ پر حضرت ابو قتادہؓ انصاری اور سواروں پر حضرت ابوایوبؓ انصاری کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی۔

خارجیوں میں ایک ایسی جماعت تھی، جس کو حیدر کرارؓ سے جنگ آزما ہونے میں پس و پیش تھا اس لیے جب لڑائی شروع ہوئی تو تقریباً ۵ سو آدمیوں نے الگ ہو کر بندنجین کی راہ لی۔ ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا، اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی۔ اور عبداللہ بن واہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے۔ لیکن یہ سب منتخب اور جانباز تھے۔ اس لیے انھوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثاران علیؓ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا، تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضا کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے، لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا۔ شریح بن ابی اوفیٰ کا

ایک پاؤں کٹ گیا، تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا۔ اسی طرح سے خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا، جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی، چنانچہ تمام علامات کیساتھ ایک لاش برآمد ہوئی، تو فرمایا، "اللہ اکبر، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا"

جنگِ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا لیکن اشعث بن قیس نے کہا: امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لیے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب وسامان درست کر لینا چاہیے: جناب امیرؓ نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کو کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؓ نے یہ رنگ دیکھا تو سردست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

مصر کے لئے کشمکش پہلے گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؓ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے تھے، چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیسؓ بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی تھی۔ انھوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہلِ مصر کو جناب امیرؓ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی۔ صرف قصبۂ خرتبا کے لوگوں کو تامل ہوا اور انھوں نے کہا کہ جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں، اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے، البتہ والئی مصر کی اطاعت فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں گے، اور نہ ملک کے امن وسکون کو صدمہ پہنچائیں گے۔ قیسؓ بن سعد نہایت پختہ کار اور صاحب تدبر تھے، انھوں نے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنا خلاف مصلحت سمجھا اور ان کو امن وسکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دیدی اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خرتبا مطیع وفرمانبردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انھوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا

جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر دوسری طرف سے قیسؓ بن سعد اہلِ مصر کو لے شام پر چڑھ آئے تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا۔ اسی لئے انھوں نے قیسؓ بن سعد کو خط لکھ کر اپنا طرفدار بنانا چاہا۔ قیسؓ بن سعد نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول

جواب دیکر ٹال دیا۔ امیر معاویہؓ فوراً اس کو تاڑ گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دامِ فریب کا شکار نہیں ہو سکتا۔ افسوس تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ سا اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے۔ قیسؓ بن سعد نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا۔ خدا نے چاہا تو خود تمہاری اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

حضرت قیسؓ بن سعد نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار تھے۔ امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو انھوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی یہ تدبیر کی کہ ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیسؓ ابن سعد میرے طرفدار ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت پہنچی محمد بن ابی بکرؓ وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خرتبا کو بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔

جناب امیرؓ نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیسؓ بن سعد کو خرتبا والوں سے بیعت کے لئے لڑنے کے لئے حکم دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خرتبا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے اس میں بسر بن ارطاۃ مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہیں۔ ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں لیکن جب دربار خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو انہوں نے استعفا دیدیا قیسؓ کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ والئ مصر مقرر ہوئے۔ یہ کمسن ناتجربہ کار تھے، ان کے طرز عمل نے مصر میں شورش و بے چینی کی آگ بھڑکا دی اور انھوں نے خرتبا والوں سے چھیڑ کر کے ان کو آمادۂ بغاوت کر دیا، حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے معرکۂ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا، کہ وہ محمد بن ابی بکرؓ کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں، لیکن امیر معاویہؓ نے راستہ میں زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کرا دیا اور عمرو بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر روانہ کی محمد بن ابی بکر کے لئے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا، تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کر کے وہ اس جانبازی سے لڑے کہ عمرو بن العاصؓ کو معاویہ بن خدیج رئیس خرتبا کی مدد طلب کرنی پڑی، لیکن اس دوران میں امیر معاویہؓ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آکر پیچھے سے گھیر لیا، اور محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکر نے بھی ایک ویران کھنڈر میں پناہ لی، لیکن عمرو بن العاص کے جاسوسوں نے ڈھونڈ نکالا اور معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے

لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس افسوس ناک طریقہ پر ۳۸ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، اور حضرت علیؓ اپنی مجبوریوں کے باعث محمد ابن ابی بکرؓ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

اسی سال یعنی ۳۸ھ میں امیر معاویہؓ نے اہلِ بصرہ کو جناب مرتضیٰؓ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لیے عبد اللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا۔ عبد اللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی۔ قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا، اور حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حمدان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے اعین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا، لیکن قبل اس کے کہ انھیں کامیابی ہو، امیر معاویہؓ کے ہوا خواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کر دیا۔

اعین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیرؓ نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا، اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا، اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی، امیر المومنین کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کیا

بغاوتوں کا استیصال جنگ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا، تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں، اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں، چنانچہ ایک خارجی خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نومسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا، اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا، حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ اور ایک روایت کے مطابق معقل بن قیس کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انھوں نے مسلسل تعاقب کے بعد رامہرمز کی پہاڑیوں میں مقابلہ کر کے اس سے اور اس کی جماعت سے ملک کو پاک وصاف کر دیا اور باغی ذمیوں سے پھر اطاعت کا عہد لیکر ان کیساتھ نہایت لطف و ترحم کا سلوک کیا۔ مرتدوں کیساتھ بھی ان کے قبول اسلام کے بعد بہت اچھا برتاؤ کیا جس کا اثر ان پر بہت اچھا پڑا، چنانچہ معقل بن قیس جب رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی، ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریق عمل جنگ صفین کے التواء اور مسئلہ تحکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق و اختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے

مخصوص ہمدموں اور جاں نثاروں کے عزم وارادے پست ہوگئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگے جناب امیر معاویہؓ نے بار ہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پُر جوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی، اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی، لیکن شیعان علیؓ کے دل ایسے پژمردہ ہوگئے تھے، اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغۃ میں موجود ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے حضرت علیؓ کو اپنے طرفداروں اور حامیوں کی سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا، امیر معاویہؓ اس حقیقت حال سے ناواقف نہ تھے انھوں نے شیعان علیؓ کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کے بجائے اب جارحانہ قدم اٹھایا، اور ۳۹ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیئے کہ وہ بدامنی پھیلا کر جناب مرتضیٰؓ کی پریشانیوں میں اضافہ کریں. چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر سفیان ابن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر عبداللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماپر، ضحاک بن قیس نے واقصہ کے نشیبی حصہ پر، اور خود امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کرکے بیت المال لوٹ لیا، اور شیعانِ علیؓ کو تہ تیغ کرکے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردنِ اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان وفارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا حیدر کرارؓ کی ہمتِ مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رعبی پیدا ہوگئی، کرمان وفارس کے مجمیوں نے بغاوت کرکے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیئے، اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی، حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ لوگوں نے عرض کی، زیادہ بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی شخص موزوں نہیں ہوسکتا۔ اس لیے زیادہ اس مہم پر مامور ہوئے، انھوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کرکے امن وسکون پیدا کر دیا۔

بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ . .

امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات گزشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے، ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا[1]۔ اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا۔[1]

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں پھر از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی، اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت اور جنگ کے مکہ ومدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لیے بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباسؓ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے حملہ کی اطلاع کر دی، اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت ولعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے۔ عبید اللہ بن عباس نے اپنے کو اس کے مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبد اللہ بن عبد المدان کو اپنا قائم مقام بنایا، اور خود دربارِ خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ابی ارطاۃ نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور شیعیانِ علیؓ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر ترکتاز شروع کر دی، اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا حال معلوم ہوا، تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے یمن وحجاز کی مہم پر مامور کیا۔ اور کوفہ کی جامع مسجد میں پرجوش خطبے دے کر لوگوں کو حدود عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا، اور یہ تقریریں ایسی موثر تھیں کہ اہلِ کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہو گئی، اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی لیکن جب کوچ کا وقت آیا، تو صرف تین سو آدمی رہ گئے۔ جناب مرتضیٰؓ کو اہلِ کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا، حجر بن عدی اور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری، باب سیستان وکابل۔

سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی، امیر المومنین! بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ عام منادی کرا دیجئے کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدانِ جنگ کی طرف چلنا پڑے گا، اور جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اب صورتِ حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کر دیا، اور معقل بن قیس کو رساتیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر سپاہی بھی مل سکیں جمع کر کے لے آئیں، لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جام شہادت پلا دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اس جانگداز واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعۂ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کر دی، اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے پائی کہ جب تک تین آدمی علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحۂ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ عبدالرحمن بن ملجم نے کہا کہ میں علیؓ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔ اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبداللہ نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑا اٹھایا، اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خوبصورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس نے مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰؓ کے خون کو مہر قرار دیا۔

غرض رمضان ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقی طور پر بچ گئے۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا۔ عمرو بن العاصؓ اس دن خود امامت کے لیے نہیں آئے تھے۔ ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا، وہ عمرو بن العاصؓ کے دھوکے میں مارا گیا۔ جنابِ مرتضیٰؓ کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجم کو جو مسجد میں آکر سو رہا تھا، جگایا، جب آپ نے نماز شروع کی، اور سر سجدہ میں اور دل راز و نیاز الٰہی میں مصروف تھا کہ اس حالت میں شقی ابن ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا، سر پر زخم آیا، اور ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا[1]۔ حضرت علیؓ اتنے سخت زخمی

---

[1] طبری ص ۳۴۵۷ و ۳۴۵۸

ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ اس لیے حضرت امام حسنؓ اور امام حسین کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے، اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارات کی تاکید کی۔ جندب بن عبداللہ نے عرض کی، امیر المومنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ فرمایا، اس کے متعلق میں کچھ کہنا نہیں چاہتا، تم لوگ خود اس کو طے کرو۔ اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں، قاتل کے متعلق فرمایا، کہ معمولی طور پر قصاص لینا [1]۔

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی، اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا، اور اسی روز یعنی ۲۰ رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی، نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہیں، اور عزی نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

---

[1] طبری ص ۳۴۶۱

کارنامے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا، اور اس پنج سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا، اس لیے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ یکسر بند ہوگیا، ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی، لیکن ان گوناگوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے، لیکن ان کارناموں پر نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق اختلاف اور شر و فساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؓ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

خلافت مرتضوی پر ایک نظر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰؓ نے جس وقت مسندِ خلافت پر قدم رکھا ہے، اس وقت نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس نے مسلمانوں کے جذبۂ غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے، انھوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شاکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفۂ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے۔

(۱) حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

(۲) اپنی خلافت میں قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

(۳) محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بناء قرار پائے، اس لیے غور کرنا چاہیے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے، اور جناب مرتضیٰؓ کس حد تک اس میں معذور تھے، پہلا سبب یعنی مفسدین کے

مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں، بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد وقاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتداء ہو، چنانچہ انصار کرام، بنو امیہ اور دوسرے وابستگان خلافت نے جب اپنے کو جاں نثاری کے لیے پیش کیا تو حضرت عثمان نے نہایت سختی کے ساتھ کشت وخون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰؓ نے اس باب میں جو کچھ کیا، ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا، چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا، لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتشِ غیظ وغضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ ام المومنین ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا، تو مفسدین نے ان کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا، اور گستاخانہ مزاحمت کی۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آب ودانہ کی بندش نہ کی جائے، تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کر دیا، جناب امیرؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے [1]۔ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے، تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے، اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل وحرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی، چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو مطالبۂ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا۔ اس وقت جناب امیرؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید [1]۔

البتہ قاتلوں کو سزا نہ دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ مخصوص اشخاص ہیں جنہوں نے براہِ راست قتل میں حصہ لیا، تو بے شک انہیں کیفر کردار تک پہنچانا حضرت علیؓ کا فرض تھا، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، پوری تفتیش وتحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا، اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں،

---

[1] طبری ص ۳۰۱۰۔

بہایا جاسکتا تھا۔ اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی۔ اس بڑی جماعت میں بعض صحابۂ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے۔ جنکا مطمح نظر صرف طلب اصلاح تھا۔ ان لوگوں کو قتل کرو دینا امیر معاویہؓ کے خنجرِ انتقام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔

امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوتِ بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے، لیکن حضرت علیؓ اس میں مجبور تھے۔ اس وقت دنیائے اسلام میں تین فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ شیعۂ عثمانؓ، یعنی عثمانی فرقہ جو علانیہ جناب امیرؓ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، دوسرا وہ گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا، جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برحق سمجھتا تھا، لیکن اپنے ورع و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا، اور صحابۂ کرام سے چلنے کے لیے کہا۔ تو بہت سے محتاط صحابہ نے معذرت کی۔ حضرت سعد وقاصؓ نے کہا "مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لیے حاضر ہوں"۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، خدا کے لیے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لیے مجبور نہ کیجئے۔ حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون بہائے اس زور سے اسے جبل احد پہ ٹیک ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے عرض کی "امیر المومنین! مجھے معاف کیجئے میں نے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا" غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا۔ تیسرا گروہ شیعانِ علیؓ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی، جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے، یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لیے جناب امیرؓ خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے، تاہم آپ نے ان ہی لوگوں کو مقرب خاص بنایا جو درحقیقت اس کے اہل تھے۔ حضرت عمارؓ بن یاسر ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہِ نبوت تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ خلیفۂ اول کے صاحبزادہ اور آغوشِ حیدرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح اشتر نخعی ایک صالح، نیک سیرت اور جانثار تابعی تھے۔

غرض اسباب و علل جو بھی رہے ہوں، اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جناب مرتضیٰؓ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکایک دنیائے اسلام میں افتراق و اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور شیرازۂ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰؓ کی سعی اور جد و جہد کے باوجود پھر اوراق کی شیرازہ بندی

نہ ہوسکی، اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا ہی گیا، اور اسلام کے سررشتۂ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑگئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حاصل نہیں ہوسکتی،

اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیائے اسلام نہایت پُرآشوب تھی، لیکن دونوں حالتوں میں بین فرق ہے۔ صدیق اکبرؓ کے سامنے گو مصائب کا طوفان اُمڈ رہا تھا، لیکن کفر وارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا۔ اس لیے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے، کل صحابہ ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا وہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لیے ان کو زیر کرلینا نسبتاً آسان تھا۔ اس کے برخلاف جناب امیرؓ کے مقابلہ میں جو لوگ تھے، وہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہؓ، آپؐ کے پھوپھی زاد اور ہم زلف وحواری رسولؐ حضرت زبیر بن العوامؓ مبشر بالجنۃ صحابی اور غزوہ احد کے ہیرو جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہوگیا ہوگیا، اور اس صلہ میں انھیں بارگاہ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا، جیسے اکابر اُمت تھے۔ ان کے علاوہ امیر معاویہؓ والیٔ شام جیسے مدبر تھے، جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا، اور عمرو بن العاصؓ فاتح مصر جیسے سیاست دان تھے، جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسرِ حق سمجھتا تھا، ساتھ ہی ان کو ایسے جان نثار ووفا شعار ملے تھے جن کی مثالیں شیعانِ علیؓ میں کم تھیں اس لیے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہدہ برآ ہونا بہت دشوار تھا۔

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد واتقا، دیانتداری، امانت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے، اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے، زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک طرف امیر معاویہؓ اپنے طرفداروں کے لیے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے، دوسری طرف حضرت علیؓ ایک ایک خرمہرہ کا حساب لیتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت علی کے طرفدار اور ان کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہوکر ان سے جدا ہوگئے تھے، لیکن بہرحال حق حق ہے اور باطل باطل باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہوجاتے تو زہد وتقویٰ، اور دیانت وامانت

کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے۔ ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرف داروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا۔ اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبداللہ بن سبا کے پیروؤں کا تھا، جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضیٰؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؓ کو انسان سے بالاتر ہستی، بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، لیکن جو وبا پھیل چکی تھی اسکا دور کرنا آسان نہ تھا، اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا واقعۂ جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی۔

دوسری جماعت قراء اور حفاظ قرآن کی تھی، جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی معنی اور مفہوم سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا، چنانچہ واقعہ تحکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حضرت علیؓ کے جانشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو در حقیقت جاں نثار و فاشعار تھے لیکن معرکہ صفین میں کامل جدوجہد کے بعد در مقصود تک پہنچ کر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا۔ اس نے تمام جاں نثاروں کے حوصلے اور ارادے پست کر دیئے تھے، غرض ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرتضیٰؓ نے غیر معمولی ہمت واستقلال اور عدیم النظیر عزم وثبات کے ساتھ آخری لمحۂ حیات تک ان مشکلات ومصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل وسلامت روی کا نمونہ پیش کیا، اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا، اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے لیکن دین ضائع ہو جاتا جس کا بچانا ایک خلیفۂ راشد اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا بلکہ اصلی فرض تھا۔

ملکی نظم ونسق حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلاوطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا، نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا، اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے؟ [1]

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ومصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی۔

عمال کی نگرانی ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے، حضرت علیؓ نے اس کا خاص اہتمام مدنظر رکھا، وہ جیب اور گراں بہا نصائح کرتے تھے [1] وقتاً فوقتاً عمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کعبؓ بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی:۔

اخرج فی طائفۃ من اصحابک	تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لیکر روانہ ہوجاؤ
حتی تمر بارض السواد کورۃ فتسا لھم	اور عراق کے ہر ضلع میں پھر عمال کی تحقیقات
عن عمالھم وتنظر فی سیرتھم [2] الخ	کرو اوران کی روش پر غائر نظر ڈالو۔

عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بے عنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچسو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے کہا خدا کی قسم، عثمانؓ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں، اور ناداری کے باعث مجبور ہوکر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا:۔

برحہ اللہ فعل فعل السید وفر فرار العبد	خدا اس کا برا کرے، اس نے کام تو سید کا کیا لیکن غلام
وخان خیانۃ الفاجر اما واللہ لو انہ	کی طرح بھاگا، اور فاجر کی طرح خیانت کی خدا کی قسم
اقام فعجز ما زدنا علی حبس فان وجد نالہ	اگر وہ مقیم رہتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا نہ دیتا، اور
شیئاً اخذ ناہ وان لم نقدر علی مال ترکناہ [3]	اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزاء و اقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی، حضرت علیؓ نے چشم نمائی فرمائی، تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے، لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے [4]۔

صیغۂ محاصل حضرت علیؓ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں، آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا، آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا، چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مال گزاری تشخیص کی گئی [5]۔

---

[1] کتاب الخراج ص ۹، [2] کتاب الخراج ص ۶۷، [3] تاریخ طبری ص ۳۴۴۱ [4] ایضاً ۳۴۵۳ [5] کتاب الخراج ص ۵۰

عہد نبویؐ میں گھوڑے سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کردی گئی۔ حضرت علیؓ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا ضروری تھا، اس لیے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کردی[1] گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے، لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال تھا، چنانچہ معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کی جاتی تھی[2]۔

رعایا کے ساتھ شفقت حضرت علیؓ کا وجود رعایا کے لیے آیۂ رحمت تھا بیت المال کے دروازے غربا اور مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے، اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی، نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں، لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہوکر کہتے تھے خدا کی قسم اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔

فوجی انتظامات حضرت علیؓ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے، اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی۔ اس لیے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کیے۔ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے ان ہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے بنوائے۔ اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا[3] جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکۂ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا، لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات امامِ وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت اور تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؓ عہد نبوت سے ہی ان خدمات میں ممتاز تھے۔ چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی ان ہی کی کوشش سے پھیلی تھی۔ سورۂ براۃ نازل ہوئی، تو اس کی تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی۔

مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی

---

[1] ایضاً ص ۴۴ [2] ایضاً ص ۲۹ [3] طبری ص ۵۰ ۳۴

تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے۔ ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے حضرت علیؓ نے نہایت سختی سے ان کی سرکوبی کی، اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب مرتضیٰؓ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

حضرت علیؓ نے مسلمانوں کی اخلاق نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں، جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں۔ مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کرا دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت علیؓ حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے زندہ جلا دینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی، مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر فرمائی[1]۔ شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علیؓ نے اس کے لیے اسّی کوڑے تجویز کیے[2] دُرّے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں، عورتوں کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر سزا دیں، اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے۔ اسی طرح رجم کی صورت میں عورت کو ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہیے[3]۔

اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی "امیر المومنین میں نے چوری کی ہے" حضرت علی نے غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا، لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا، اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا، اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا[4]۔

تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لیے اقدام بغیر جرم کیے ہوئے مجرم بنانے کے لیے کافی نہیں ہے چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی، اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا، تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی[5]۔

---

[1] ترمذی حدود مرتد [2] کتاب الخراج ص ۹۹ اور سنن ابی داؤد کتاب الحدود [3] کتاب الخراج ص ۹۷ [4] کتاب الخراج ص ۱۰۱ [5] کتاب الخراج ص ۱۰۱

دس درہم سے کم چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا، اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہو تو نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا تھا[1] ۔

جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں، ان پر حد جاری کرنے کے لیے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا، تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے ۔

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا، لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کیے جاتے، وہ اگر مال دار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے اُن کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا، ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا[2] ۔

تعزیری سزا حضرت علیؓ نے جو غیر معمولی سزائیں تجویز کیں، وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی تعزیری سزائیں جاری کی تھیں۔ چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی، تو اسی کوڑوں کے بجائے سو کوڑے لگوائے، کیونکہ اس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی[3] ۔

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۰۰ [2] ایضاً ص ۸۸ [3] ایضاً ص ۱۰۰

فضل وکمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، مسند میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا [۱] اور تقرب کا یہ درجہ میرے سوا کسی اور حاصل نہ تھا [۲] ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دوبار اس قسم کا موقع ملتا تھا [۳] اکثر سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام، سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "مسح علی الخفین" کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کے لیے حضرت علیؓ کا نام بتایا، اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے [۴] شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں بارگاہ رسالت میں جناب امیرؓ کے اس تقرب وتربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کرکے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کے نہیں ہیں۔ اس کی تشریح یہ کی ہے کہ،

"عبد ضعیف گوید سبب ایں معنی اجتماع دو جہت است، در مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یکے رسوخ او در سوابق اسلامیہ دوم قرب قرابت او با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وآں جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام او صل ناس بارحام واعرف ناس بحقوق قرابت بودند باز چوں عنایت الٰہی، مساعدت نمود، حضرت مرتضیٰ را در کنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انداخت مرتبۂ قرابت دو بالا شد وکرامت دیگر درکار او کردند رضی اللہ عنہ باز چوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عقد او وادند مزید فضیلت یاد یار شد" [۵]

آپ کے تقرب واختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے [۶] بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی بھی تفسیر فرماتے تھے [۷] چند مخصوص حدیثیں

---

[۱] مسند جلد اول ص ۷۷ [۲] ایضاً ص ۸۵ [۳] ایضاً ۸۰ [۴] مسند جلد اول ص ۱۴۶
[۵] ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۶۰ [۶] مسند جلد اول ص ۸۳ [۷] ایضاً ص ۸۵ -

بھی قلم بند کر لی تھیں[1]۔ غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتداء ہی سے علم وفضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی۔ اسلئے صحابۂ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل وکمال کے مالک اور "انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابہا" (میں علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے[2]۔

نوشت وخواند کی تعلیم بچپن ہی میں حاصل کی تھی، چنانچہ ظہورِ اسلام کے وقت جب کہ آپ کی عمر بہت کم تھی، آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے[3] اسی لیے ابتداء ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام انجام دیتے تھے۔ چنانچہ کاتبانِ وحی میں آپ کا بھی نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکاتب وفرامین لکھے جاتے تھے، ان میں بعض آپ کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے تھے، چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

تفسیر اور علوم القرآن اسلام کے علوم ومعارف کا اصل سرچشمہ قرآنِ پاک ہے حضرت علیؓ مرتضیٰ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہؓ میں سے تھے، جنھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے واقف تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی۔[4]

چنانچہ حضرت علیؓ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار روایتوں پر ہے مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں۔ ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا، چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں جب خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں، اِنِ الْحُكْمُ

---

[1] ایضاً ص ۹۷ [2] جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰؓ میں ہے "انا دار الحکمۃ وعلی بابہا" لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے، حاکم نے (مستدرک ج ۳ ص ۱۲۶) اس روایت کے متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اسکو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷ [4] ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۱۰۱

اِلَّا لِلّٰہِ ، تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے ۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا ، اور امتِ محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا جائز نہ ہو ؟ کیا تمام امتِ محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے [1]۔

علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا ، اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا ، ان کو درس و وعظ سے روک دیتے تھے ۔ چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا تھا ، اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے ، اگر وہ نفی میں جواب دیتا تھا تو اس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے ، اور درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے۔

آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے ، اس لیے یہاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو ان ظاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں ، ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے ؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اگاتا ہے ، اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے ، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں ، لیکن قرآن کو سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جس کو چاہے دے [2] ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں ۔ اس موقع پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے جو قسم کھائی ہے ۔ اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے ۔ یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے ، اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے ، اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے ، یعنی جس طرح ایک چھوٹے سے تخم سے اتنا بڑا عظیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے ، جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا ، اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے ۔ تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ۔ اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں ، معنی و مطالب نکلتے ہیں ۔

علمِ حدیث | جناب مرتضیٰؓ نے بچپن سے لے کر وفات نبویؐ تک کامل تیس سال آنحضرت صلعم کی

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۸۶ [2] صحیح بخاری کتاب الدیات و ابن حنبل جلد اول ۷۹ و ۱۰۰

خدمت و رفاقت میں بسر کیے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبویؐ کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے۔ پھر تمام اکابر صحابہ میں وفات نبویؐ کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات و افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ خلفائے ثلاثہ رضی کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی ان کے بعد خود آپ کے زمانۂ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا، اس لیے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا۔ اسی لیے خلفائے سابقین کے مقابلے میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشرو خلفائے اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے۔ اس لیے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے ۲۰ حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے، اور ۹ حدیثیں صرف بخاری میں ہیں، مسلم میں نہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں۔ غرض صحیحین میں آپ کی کل انتالیس حدیثیں ہیں۔

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے رفقاء اور ہمعصروں میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت مقدادؓ بن الاسود، اور اپنی حرم محترم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے روایتیں کی ہیں۔ آپ کی عترت مطہرہ اولاد امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہؓ صاحبزادے اور صاحبزادیاں، محمد بن عمر بن علی، ابن حسین بن علی، (پوتے) عبداللہ ابن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے) جعدہ بن ہبیرہ مخزومی (بھانجے) عام اصحاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، بشیر بن سحیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صہیب رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمروؓ بن حریث، نزال بن سبرہ ہلالیؓ، جابر بن سمرہؓ، جابر بن عبداللہ۔ ابو جحیفہؓ، ابوامامہؓ، ابولیلیٰ انصاری، ابوموسیٰؓ، مسعود بن حکم زرقی ابوالطفیل عامر بن واثلہ، عبیداللہ بن ابی رافع (کاتب) اور ام موسیٰؓ (جاریہ)

تابعین میں زر بن جیش، زید بن وہب، ابوالاسود دوئلی، حارث بن سوید التیمی، حارث ابن عبداللہ الاعور، حرملہ مولیٰ اسامہ بن زیدؓ، ابوساسان حضین بن منذر ارقاشی، حجیہ بن عبداللہ الکندی، ربعی بن حراش، شریح بن ہانی، شریح بن النعمان الصائدی، ابووائل شقیق بن سلمہ،

شیث بن ربعی، سوید بن غفلہ، عاصم بن ضمرہ، عامر بن شراحیل الشعبی، عبداللہ بن سلمہ مرادی، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن معقل بن مقرن، عبد خیر بن یزید الہمدانی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ سلمانی، علقمہ بن قیس النخعی، عمرو بن سعید النخعی، قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حدثان، مروان بن حکم اموی، مصرف بن عبداللہ، ابن شخیر، نافع بن جبیر بن مطعم، ہانی بن ہانی، یزید بن شریک، ابوبردہ بن ابی موسیٰ الاشعری، ابوحیہ وادعی، ابوالخلیل الحضرمی، ابوصالح الحضرمی ابوالصالح الحنفی، ابوعبدالرحمٰن اسلمی، ابوعبیدہ مولیٰ ابن ازہر، ابوالہیاج الاسدی وغیرہ [1] نے آپ سے فیض پایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے۔ اس پر وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیۂ اقدس، آپ کی نماز و مناجات و دعا و نوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علی مرتضیٰؓ ہی سے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبویؐ میں رہتے تھے، اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا [2]

احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے، ان میں حضرت علی مرتضیٰؓ بھی داخل ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گزری ہے، اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے۔ یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا۔ اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں [3]

فقہ واجتہاد حضرت علی مرتضیٰؓ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی، بلکہ علم و اطلاع کی حیثیت وسعت سے دیکھا جائے۔ تو آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ ماننی پڑے گی۔ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ کو بھی کبھی کبھی حضرت علی مرتضیٰؓ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔

فقہ واجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی، انتقال ذہنی کی بڑی ضرورت ہے، اور حضرت علی مرتضیٰ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے

---

[1] یہ فہرست تہذیب التہذیب سے منقول ہے [2] ازالۃ الخفاء ص ۲۷۵ [3] بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم ج ۲ و کتاب الاعتصام و مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۰۹

ازالۃ الخفاء میں آپ کی علمی اور انتقالِ ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں، لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ،

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آ گئے لہ

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا، لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ اس کے کے جواز کے قائل تھے، انھوں نے کہا حالتِ احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے، لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ چنانچہ انھوں نے ان سے جا کر دریافت کیا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ احرام کی حالت میں تھے۔ ایک گورخر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں۔ یہ ان کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں۔ حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا حوالہ دیا جس میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حالتِ احرام میں مرغ کے انڈے پیش کیے تھے، تو آپ نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا۔ اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی۔ یہ سن کر حضرت عثمان اور ان کے رفقاء نے اس کھانے سے پرہیز کیا۔ سلہ

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ سے جا کر دریافت کرو۔ ان کو معلوم ہوگا۔ کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل حضرت علی مرتضیٰؓ کے

لہ مسند ابن حنبل ج ا ص ۱۴۰ سلہ مسند امام ابی عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل جلد ا ص ۱۰۰، فقہا میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بہرحال حضرت علیؓ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کر لیا۔

پاس گیا انھوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔ [1]

حضرت علیؓ کے علم اور ان کی اجتہادی قوت اور دقتِ نظر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ وہ مرد یا عورت ہے۔ [2]

فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعتِ نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ بعض ایسے مسائل جو کسی دوسرے کے ذریعے پوچھوا لیتے تھے۔ چنانچہ مذی کا ناقض وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔ [3]

حضرت علی مرتضیٰ اپنے علم و کمال کی بناء پر متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے تھے، خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا۔ مثلاً حضرت عثمانِ حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے۔ اس لیے اب جائز نہیں ہے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ بہرحال جائز سمجھتے تھے۔ اسی طرح حالتِ احرام میں نکاح اور حالتِ عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ گو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے، لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گزرا، اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع یہیں پیش آیا۔ اس لیے آپ کے مسائل و اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی۔ اسی بناء پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰ ہی کے ارشادات اور فیصلوں پر ہے۔

قضا اور فیصلے | حضرت مرتضیٰ اُن ہی خصوصیات کی بناء پر مقدمات کے فیصلوں اور تصفیہ کے لئے نہایت موزوں تھے، اور اس کو صحابہ عام طور پر سے تسلیم کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اقضانا علی واقرأنا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۹۶ و ج ۶ ص ۵۵ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ سنن سعد بن منصور و مسند ہیثم [3] صحیح بخاری کتاب الوضو۔

علیؓ ہیں، اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت مرتضیٰؓ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا، اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علیؓ کو "اقضاھم علی" کی سند مل چکی تھی، اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے، چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدۂ قضا کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت علیؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے، اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہ راست اور تمہارے دل کو ثابت و استقلال بخشے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قضاء اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا "علی جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرو اس وقت تک اپنے فیصلہ کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔"[4]

مقدمات میں علم یقین کے لیے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضا میں داخل تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا۔ آپ نے اس سے پے درپے متعدد سوالات کیے۔ جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا[5] اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا، اور دو گواہ بھی پیش کر دیئے۔ آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا، اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے، اس سے فراغت کے بعد دیکھا تو دونوں گواہ موقع پا کر چل دیئے۔ آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا۔[6]

یمن میں آپ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا۔ یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا، پرانی

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۱۰۲ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۳۵ [3] مسند ابن حنبل ج اول ص ۸۳ و حاکم جلد ۳ ص ۱۳۵ [4] مسند ابن حنبل ج اول ص ۹۶، ۱۴۳۔ [5] ایضاً ص ۴۰ [6] تاریخ الخلفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ۔

باتیں ابھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے۔ نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے۔ ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصّے کیے۔ پھر قرعہ ڈالا جس کے نام قرعہ نکلا، اس کے حوالہ کیا، اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصّے اس سے لے کر دلوا دیئے۔ گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ سُنا تو آپ نے تبسّم فرمایا۔ [۱]

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لیے ایک کنواں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا، چند اشخاص ہنسی میں ایک دوسرے کو ڈھکیل رہے تھے، اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا اور اس کنویں میں گرا، اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑلی، وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی، تیسرے نے چوتھا کو پکڑلیا، غرض چاروں اس میں گر پڑے، اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے ورثہ باہم آمادۂ جنگ ہوئے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کو اس ہنگامہ و فساد سے روکا، اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں فتنہ و فساد مناسب نہیں، میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربارِ نبوت میں جاکر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔ لوگوں نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری، ایک ایک تہائی، ایک ایک چوتھائی، اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے ورثہ کو، ایک چوتھائی خوں بہا دوسرے کو ثلث، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خوں بہا دلایا۔

لوگ اس بظاہر عجیب وغریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے، اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالتِ نبویؐ میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔ [۲]

روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چونکہ دھکیلا گیا فوراً اوپر سے گرا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاق قتل کے درمیان ہیں، غرض قصد اور عدم قصد

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۵ [۲] مسند ابن حنبل جلد اوّل ص ۷۷

کے پیچ کی شکل ہے۔ اس لیے عدم قصد واتفاق اور قصد وارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے، اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا۔ اس کے بعد وراثت میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے، اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا گیا۔ اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا، اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے، تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلایا۔ باقی دو بچے، تو دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔ اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنھوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی۔ اس لیے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خوں بہا کر ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا۔ پہلا شخص گو اتفاقاً گرا، مگر ایک دوسرے کے دھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل تھا۔ اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا، اس لیے وہ خوں بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا یعنی ایک چوتھائی۔ پہلے نے دوسرے کو گویا بقصد کھینچا، مگر غایت بدحواسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع ملا۔ اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے، اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا۔ دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچ سمجھنے کا موقع زیادہ ملا، اس لیے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا، اس لیے اس کو نصف دلایا گیا۔ تیسرے نے چوتھے کو کھینچا، حالانکہ وہ سب سے دور تھا، اور گزشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لیے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا گیا، نیز یہ کہ اس نے اپنے رفقاء کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا، اسلئے وہ پوری دیت کا مستحق تھا۔ واللہ اعلم

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا۔ دو شخص (غالباً مسافر) ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں، اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آگیا۔ وہ بھی کھانے میں شریک ہو کھا [نے] سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی۔ اور آ بڑھ گیا۔ جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی، اور دوسرے کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہے، مگر وہ اس پر راضی

نہ ہوا، اور نصف کا مطالبہ کیا۔ یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا۔ آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے، اس کو قبول کرو، اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے، لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہئیں۔ اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں، اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ جائیں تو ۹ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تم اپنے ۹ ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کرو تو ۲۴ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے، تو فی کس آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں تم نے اپنے ۹ میں سے آٹھ خود کھائے، اور ایک تیسرے مسافر کو دیا، اور تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیئے، اسلئے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا وہ مستحق ہے۔[1]

کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے۔ ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میرے ماں کی آبرو ریزی کی ہے، فرمایا کہ ملزم کو دھوپ میں لے جاکر کھڑا کرو، اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو۔[2]

حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا، مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا، اس لیے ان میں تحریف بھی ہونے لگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس میں کے ایک حصہ کو انھوں نے جعلی بتلایا، اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علی ؓ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔[3]

علم اسرار و حکم | دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بنا پر ہر شرعی حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح لے دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت زر بن حبیش [2] ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ [3] مقدمہ صحیح مسلم۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جو جزئی مصلحتیں رکھی ہیں ۔ ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا مذاقِ علم پہلی قسم کا اور حضرت علی مرتضیٰ کا ذوقِ فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے ۔ ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر، اسی لیے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے ، وہ کسی حکم شرعی کے لیے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا :۔

حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون	لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہوں، کیا تم یہ
ان یکذب باللہ ورسولہ (کتاب العلم)	پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا جائے

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لامحالہ اپنی کوتاہی عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے، اور اس طرح وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے ۔ اس لیے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے کہ مصالحِ الٰہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آسکتے ہیں ۔

احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کو متحمل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایاں ہونا۔ مسند احمد حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا :۔

اذا حدثتم عن رسول اللہ صلی اللہ	جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث
علیہ وسلم بحدیث فظنوا بہ الذی	بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ
ھو اھدیٰ والذی ھو اتقیٰ	سمجھو جو زیادہ قرینِ ہدایت زیادہ پرہیز
والذی ھو اھنا (ص ۱۳۰)	گارانہ اور زیادہ بہتر ہوں ۔

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے۔ لیکن یہ مسح نیچے تلووں پر نہیں ، بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ، جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے ۔

لوکان الدین بالرای لکان باطن	اگر دینی مسائل کا انحصار محض رائے پر ہوتا تو
الخف احق بالمسح من ظاھرہ	تلوے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے مستحق تھے

ھما دقل مسح النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مستحق ہوتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علی ظہر خفیہ (باب کیف المسح)	نے موزوں کی پشت یا پر مسح فرمایا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد وغبار کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلوؤں پر مسح ہوتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے نہیں اوپر مسح فرمایا، اس لیے احکام الٰہی کے مصالح کی تعیین میں محض ظاہری عقل ورائے کو دخل نہیں ہے،

یہی روایت مسند ابن حنبل (جلد اول ص ۱۱۴) میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے یعنی ظاہری قیاس کا مقتضیٰ یہی تھا، مگر حکم الٰہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔

تصوف اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو اسرار شریعت پر عبور نہ تھا بلکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزوں نہیں ہیں، اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع میں احکام الٰہی کی اتباع اور پیروی کے بجائے عدم عمل کے لیے حیلہ سازی اور ان فلسفیانہ بہانہ جوئی پیدا ہوتی ہے۔ خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان ہی کے لیے یہ علم موزوں ہے۔ چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصانِ امت کا حصہ ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کیے ہیں۔

تصوف کے اکثر سلسلے سینۂ مرتضویؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اصول آزمائش وامتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰؓ ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بیحد انہماک تھا، مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی [1]۔

محدثین کے اصولِ روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؓ کے یہ صوفیانہ اقوال پایۂ صحت کو نہیں پہنچتے، اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصریؒ پر جاکر تمام ہوتے ہیں۔ ان کو حضرت علی مرتضیٰؓ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت حسن بصریؒ کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی، بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے

---

[1] ازالۃ الخفاء ص ۲۷۲ ۔

بھی انکار کیا ہے کہ انھوں نے بلا واسطہ حضرت علی مرتضیٰؓ سے کچھ سنا بھی ہے۔ بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا، اور ان کے دیدار سے مشرف تھے، اور اس وقت ان کی عمر غالباً ۱۴، ۱۵ برس کی تھی ۔

تقریر و خطابت تقریر و خطابت میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجمعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ تقریریں نہایت خطیبانہ، مدلل اور موثر ہوتی تھیں۔ ۲۲۹ھ میں جب امیر معاویہؓ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو ابھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا اس سے زور تقریر اور حسن خطابت کا انداز ہوگا

امابعد فان الجهاد باب من ابواب	حمد و نعت کے بعد، جہاد جنت کے دروازوں
الجنة من ترکه البسه الله الذلة	میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا
وشمله بالصغار وسیم الخسف	خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے، اور
وسیل الضیم وانی قد دعوتکم	رسوائی کو شامل حال کرتا ہے اور ذلت
الی الجهاد وهٰؤلاء القوم لیلاً و	کا مزہ چکھایا جاتا ہے، اور دشمنوں کی دست
نهاراً وسراً وجهاراً وقلت لکم	درازی میں گرفتار ہوتا ہے۔ میں نے تم کو شب
اعزوهم قبل ان یغزوکم فما غزی	روز علانیہ اور پوشیدہ، ان لوگوں سے لڑنے
قوم فی عقوردارهم الاذلوا واجترء	کی دعوت دی، اور میں نے کہا کہ اس
علیهم عدوهم هذا اخوبنی عامر	سے پہلے کہ وہ حملہ کریں، میں حملہ کروں،
قد وردالانبار وقتل ابن حسان	کوئی قوم جس پر اس کے گھر میں آکر حملہ
البکری وازال مسالحکم عن	کیا جائے، وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے،
مواضعها وقتل رجالاً منکم	اس کا دشمن اس پر جری ہوتا ہے،
صالحین وقد بلغنی انهم کانوا	دیکھو کہ عامری نے انبار میں آکر ابن حسان بکری
یدخلون بیت المرأة المسلمة	کو قتل کر دیا، تمہارے مورچوں کو اپنی جگہ سے
والاخری المعاهدة فینزع حجلها	ہٹا دیا، تمہاری فوج کے چند نیکوکار بہادروں
من رجلها وقلائدها من عنقها	کو قتل کر ڈالا، اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے

یا عجبا من امر یمیت القلوب ویجلب
الھم ویسعر الاحزان من اجتماع
القوم علی باطلھم وتفرقکم عن
حقکم نبعدا لکم وسحقا قد صرتم
غرضا ترمون ولا ترمون ویغار
علیکم ولا تغیرون ویعصی اللہ
وترضون اذا قلت لکم سیروا فی
الشتاء قلتم کیف نغزو فی ھذا
القر والصر وان قلت لکم سیروا
فی الصیف قلتم حتی ینصرم عنا
حمارۃ القیظ وکل ھذا فرار من
الموت فاذا کنتم من الحر والقر
تفرون فانتم واللہ من السیف
افر والذی نفسی بیدہ ما من
ذالک تھربون ولکن من السیف
تحیدون یا اشباہ الرجال ولا
الرجال ویا احلام اطفال و
عقول ربات الحجال اما واللہ
لوددت ان اللہ اخرجنی من بین
اظھرکم وقبضنی الی رحمتہ من
بینکم ووددت انی لم ارکم ولم
اعرفکم واللہ ملأتم صدری
غیظا وجرعتمونی الامرین انفاسا

کہ وہ مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھسے
اور ان کے پاؤں سے ان کے پازیب، ان کے
گلے سے ان کے ہار اتار لیے، ایک قوم کا
باطل پر اجتماع اور تمہارا امر حق سے برگشتہ
ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں کو مردہ کرتا
ہے اور غم و رنج کو بڑھاتا ہے۔ تمہارے لیے دوری
و ہلاکت ہو تم نشانہ بن گئے ہو اور تم پر تیر برسایا جاتا
ہے لیکن تم خود تیر نہیں چلا سکتے۔ تم پر غارتگری
کی جاتی ہے لیکن تم غارتگری نہیں کرتے، خدا کی
نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو۔
جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم سرما میں فوجکشی
کرو تو تم کہتے ہو کہ اس قدر سردی اور پالے میں
کس طرح لڑ سکتے ہیں، اور اگر کہتا ہوں کہ موسم
گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے
تب، حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ
ہے پس جب تم گرمی سردی سے بھاگتے ہو تو
خدا کی قسم تلوار سے اور بھی بھاگو گے قسم ہے
اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
تم اس سے نہیں بھاگتے، بلکہ تلوار سے جان چراتے
ہو۔ اے مرد نہیں بلکہ مرد کی تصویر والو! اور اے
بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو!
خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جماعت
سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دیکر)

وافسد تم علی رائی بالعصیان والخذلان ۔

اپنی رحمت نصیب کرے، میری تمنا تھی کہ تم سے جان پہچان نہ ہوتی۔ خدا کی قسم تم نے میرا سینہ غیظ وغضب سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے وہ تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عصیان و نافرمانی کرکے میری رائے کو برباد کر دیا ہے ۔

آپ کے طرفداروں کے دل اگرچہ پژمردہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دے دیا تھا تاہم اس پُرجوش اور ولولہ انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لیے ہلچل پیدا کر دی اور ہر طرف سے پرجوش صداؤں نے لبیک کہا۔

شریف رضی نے حضرت علیؓ کے تمام خطبوں کو نہج البلاغتہ کے نام سے چار جلدوں میں جمع کر دیا ہے اور بلیغ مقرر بنا دیا، لیکن نہج البلاغتہ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے، کیونکہ ان میں ایسا اصطلاحات وخیالات بھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی میں رائج ہوئے ہیں، اور ان میں حضرت علیؓ کی زبان میں ایسی باتیں بھی ہیں، جن کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ۔

شاعری جناب مرتضیٰؓ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دوچار احادیثِ صحیحہ میں بھی مذکور ہیں، مثلاً آپ کا وہ رجزیہ شعر جو معرکۂ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا،

انا الذی سمتنی امی حیدرہ ✦ کلیث غابات کریہ المنظرہ

لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں، بلکہ ایک پورا دیوان، دیوانِ علیؓ کے نام سے موجود ہے جس کو افسوس ہے کہ طلبہ اور علماء نہایت شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں، حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے، چہ جائیکہ افصح الفصحاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی طرف۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمہ زہرارضؓ کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کیے ہیں ۔

علم نحو کی ایجاد علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؓ کے دستِ مبارک سے رکھی گئی ہے، ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا، اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے، چنانچہ ابوالاسود دوئلی کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا[1] اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں ۔

---

[1] فہرست ابن الندیم

اخلاق وعادات اور ذاتی حالات

حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایامِ طفولیت ہی سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں تربیت پائی تھی، اس لیے وہ قدرۃً محاسنِ اخلاق اور حسنِ تربیت کے نمونہ تھے، آپ کی زبان کبھی کلمۂ شرک و کفر سے آلودہ نہ ہوئی، اور نہ آپ کی پیشانی غیرِ خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جا سکتا[1]

امانت و دیانت: آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ابتداء ہی سے امین تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی[2] اپنے عہدِ خلافت میں آپ نے مسلمانوں

---

[1] ترمذی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دوستوں کے ایک جلسہ میں حضرت علیؓ نے شراب پی اور اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورۂ قل یا ایھا الکافرون کچھ سے کچھ پڑھ دی اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی۔ گو شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ نہیں تھا۔ تاہم ظاہر ہے کہ کمالِ تقویٰ کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دہنِ مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا ہو اسی لئے اس روایت کے قبول کرنے میں ہمیں تردد ہے اصل یہ ہے کہ اس کا آخر راوی گو پہلے علوی تھا، مگر آخر میں حضرت علیؓ کا مخالف (عثمانی) ہو گیا تھا اس لئے حضرت علیؓ کی شان میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی اب حاکم کی مستدرک چھپ چکی ہے اس کی روایت سے اصل واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ سے یہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا عثمانی راوی نے خود حضرت علی مرتضیٰ کا نام رکھ دیا حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بحمد اللہ اس روایت سے حضرت علیؓ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ اٹھ گیا۔

[2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۹۔

کی امانت بیت المال کی جیسی امانتداری فرمائی، اس کا اندازہ حضرت اُم کلثوم رضی کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں، امام حسنؓ، امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی جناب امیرؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دیں[1]

مالِ غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے، کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی تو آپ اس سے بری ہو جائیں ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے، اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے[2]۔

زہد ــــــ آپ کی ذاتِ گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا گزر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لئے بس ہے بچپن سے چالیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے اس نئی زندگی کے سازو سامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدۂ جنت جو ساز و سامان اپنے میکے سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کما لائیں۔ عوالی[3] مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے۔ خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے اس کے پاس پہنچکر اُجرت طے

---

[1] : ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ [2] الیضاً بحوالہ ابو عمر ص ۲۶۶

[3] : مدینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوالی تھا۔

اور پانی سینچنے لگے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملی، لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی لیکر لئے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔[1]

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے۔ دستر خوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا انہوں نے کہا! امیرالمومنین آپ کو پرندے کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟ فرمایا ابن زریر خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے ایک خود کھائے اور اہل کو کھلائے اور دوسرا خلقِ خدا کے سامنے پیش کرے۔[2]

در دولت پر کوئی حاجب تھا نہ دربان، نہ امراء کر و فر نہ شاہانہ تزک و احتشام اور عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زر و جواہر اگل رہی تھی۔ اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی بھی نوبت آجاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا "امیرالمومنین! میں تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں"۔[3]

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی شہنشاہ دو عالمؐ کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔ اس لئے واپس آکر سو رہیں تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتادوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لئے مفید ہو"۔ اس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی۔[4]

عبادات — حضرت علی کرم اللہ وجہٗ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادات آپ کا مشغلۂ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے۔ کلام پاک کی اس آیت

---

[1] مسند ابن حنبل ص ۱۲۵ [2] مسند احمد جلد اص ۷۸ [3] ازالۃ الخفاء بحوالہ الحجر [4] بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند المنام۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرَاھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ؁

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، باہم رحمدل ہیں تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کرکے خدا کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو کرتے ہیں۔

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے ابوبکرؓ صدیق اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے عمرؓ ابن الخطاب رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ سے عثمانؓ بن عفان۔ رُکَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں[1]۔ اس سے عبادات میں تمام تمام صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ رکوع وسجود تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

کان ما علمت صواما قواما[2] جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے

زبیر بن سعید قرشی کہتے ہیں:

لم ار ھاشمیا قط کان اعبد اللہ منہ[3] میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو۔

جب سوؤ کہ تم ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ تکبیر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو نہیں چھوڑا

---

[1] تفسیر فتح البیان ج ۹ ص [2] ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہؓ [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۸

ابن کواء نے کہا کہ "صفین کی شب میں بھی نہیں؟" فرمایا "صفین کی شب میں بھی نہیں"[۱]

انفاق فی سبیل اللہ — حضرت علیؓ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن دل غنی تھا کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوتا، حتی کہ قوت لایموت تک دے دیتے۔ ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کئے، صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ثلث پیسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی۔ حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دیدیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظام کیا لیکن تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دستِ سوال بڑھایا اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی بچ رہا تھا، پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا، اور یہ مردِ خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الآیۃ) کی آیت نازل ہوئی[۲]

تواضع — سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا ٹانکتے کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے۔ مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرشِ خاک پر بے تکلف سو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ڈھونڈھتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں۔ چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سادگی نہایت پسند آئی۔ خود دستِ مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا "اجلس یا ابا تراب"[۳] مٹی والے اب اٹھ بیٹھ، زبان نبویؐ کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؓ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور معمولی کپڑے کی تہ بند باندھے بازار میں گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع

---

[۱] مسند امام ابن حنبل ج ۱ ص ۱۰۷۔ ابوداؤد کتاب الادب [۲] [۳] بخاری کتاب المناقب مناقب علیؓ [۳] ایضاً

فرماتے اس میں والی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے [1]

شجاعت ۔ شجاعت و بسالت حضرت علیؓ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا، آپ تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے، اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھلائے۔

اسلام میں سب سے پہلا غزوۂ بدر پیش آیا، اس وقت حضرت علیؓ کا عنفوان شباب تھا، لیکن اس عمر میں آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی داد شجاعت دی کہ آپ اس کے بعد ہمیشہ تلوار رہے۔

آغازِ جنگ میں آپ کا مقابلہ ولید سے ہوا ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہؓ بن حارث آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا، تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ غزوہ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے مبارزت طلب کی، تو حضرت علی مرتضیٰ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرطِ مسرت میں نعرہ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی نعرے لگائے۔

غزوۂ خندق میں بھی پیش پیش رہے۔ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی، آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پہ عمامہ باندھا اور دعا کی کہ خداوندا تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کر لی۔

غزوۂ خیبر کا معرکہ حضرت علیؓ ہی کی شجاعت سے سر ہوا جب خیبر کا قلعہ کسی طرح فتح نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں چنانچہ دوسرے دن آپ نے حضرت علیؓ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۲۸

مقابلہ میں آیا۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ مرتضیٰ رجز خواں آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا، اور خیبر فتح ہو گیا خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔
غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آئی تھی، لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ مرتضیٰ ہر موقع پر جما ندر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعتہً تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا، تو مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان میں ایک حضرت علیؓ مرتضیٰ بھی تھے۔ عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک — حدیث میں آیا ہے کہ "بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے" حضرت علیؓ مرتضیٰ اس میدان کے بھی مرد تھے ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گزرا، لیکن بایں ہمہ انھوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں، لیکن جب ایک اجنبی نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی، اور ان کو ان کے طرفدار بصری رئیس کے گھر میں اتارا حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک ایک گوشے میں پناہ لی تھی۔ حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے، لیکن ان پناہ گزین زخمی دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

جنگ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے ان کی نسبت بھی عام منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان ہے۔

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا، اور جنگ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے، مگر جب ان کا قاتل ابن جرموز ان کا مقتول سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا،

تو وہ آبدیدہ ہو گئے، اور فرمایا، فرزند صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو" پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا، یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔

مستدرک میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا کہ "فرزند صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے[1]

جنگ جمل کے میدان میں جب آپ فریق مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے جب حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمد کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا "اے قریش کا شکرہ۔"

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا، مثلہ نہ کرنا، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا۔ ابن سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ، اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ، اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا، اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا، میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑ لوں گا[2] ۔۔ دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے۔

اصابت رائے ۔۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا چنانچہ آپ تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کیے جاتے تھے واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوۂ طائف میں آپ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں کے مشیر تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے مہاجرین و انصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بھی تھے۔ حضرت

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۳۶۷ [2] طبقات تذکرہ علیؓ ابن ابی طالب

حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کرتے تھے ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا

لولا علی لھلک عمر ۔ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا

اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے۔ معرکہ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بجد مشوش کر دیا تو انہوں نے مسجد نبوی میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی۔ حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام و یمن وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ تشریف لے جائیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں ہٹیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس لیے یہ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام و یمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال تھا

حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لئے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا، بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہوتا کہ آئندہ جھگڑے کی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔

آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے انہیں قائم رکھا چنانچہ اس قسم کا ایک مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا

ما اجد فیھا الا ما قال علی ۔ میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علیؓ نے کیا

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا

الحمد للّٰه الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت ؎ اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہاں دینا مناسب ہوگا وہ لکھتے ہیں:

"بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں، مثلاً شجاعت قوت، حمیت اور وفادہ سب ان میں موجود تھے، اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف کیا، اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا ریاض النضرہ میں ہے کہ جب وہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکتے ہوئے چلتے تھے، اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تقریباً فربہ اندام تھے۔ ان کی کلائیاں اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے، قوی اور دل کے مضبوط تھے جس شخص سے کشتی لڑتے تھے اس کو پچھاڑ دیتے تھے بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے تھے اس پر غالب آتے تھے۔

ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی، اور جب فیض ربانی نے اس کو موہبت کیا تو مقام محبت ان کے لیے ایک مسلمہ چیز بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے، فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، بالآخر آپ نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جسے فیض ربانی نے ان کے سوابق اسلامیہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت

ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا ان دونوں فریق نے باہم مخاصمت کی

ان کی اور ان کے رفقاء کی شان میں نازل ہوئی۔ امام بخاریؒ نے حضرت علی ابن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصوصیت کے لیے دو زانو بیٹھے گا قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم مخالفت کی ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی یعنی حمزہؓ، علیؓ، عبیدہؓ، ابوعبیدہؓ بن الحارث، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ اور ولید بن عتبہ۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، لوگوں کی خاطر مدارات میں اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے فیض ربانی نے ان کے ان اخلاق سے نہی المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا۔ حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شکایت کی تو آپؐ نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا کہ لوگو! علی رضؓ کی شکایت نہ کرو خدا کی قسم خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی ذات کے معاملہ میں علیؓ سخت ہیں"

ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے چچا زاد بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمیت تھی۔ وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے۔ یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے جب فیض ربانی نے اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح و تفسیر حس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا، جس کی تعبیر اخوت رسول موالاۃ رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچیرے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم میں سے کون میرا دلی ہوگا۔ لیکن ان سب نے اس بار کے تحمل سے انکار کیا اس وقت آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہوگے۔ حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ؎

أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ اگر وہ مرگئے یا مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤگے

---

[1] مستدرک کی روایت اور ازالۃ الخفا کی روایت میں تھوڑا سا فرق ہے اس ترجمہ میں اصل مستدرک کی روایت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مستدرک ج ۳ ص ۱۳۱۔

خدا کی قسم جب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم بیٹھ نہ پھیریں گے، خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یا آپ شہید ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ جنگ کرتے تھے ہم بھی اس کے لئے لڑیں گے یہاں تک کہ مر جائیں۔ خدا کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں آپ کا ولی ہوں آپ کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ کے علم کا وارث ہوں۔ ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ آپ کا حقدار کون ہے۔ اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں۔ غلطی بھی ظاہر ہو گئی۔ ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لیے غلبہ کا خواستگار ہونا خلوص نہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت کے لیے اخوتِ نسبتی شرط ہے۔

ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک زہد اور شہوات نفسانی سے اجتناب ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! اس سے مجھے معاف فرمائیے، معاویہؓ نے اصرار کیا، ضرار بولے اگر اصرار ہے تو سنیئے، وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے عادلانہ فیصلہ کرتے تھے ان کے ہر جانب سے علم کا چشمہ پھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے، رات اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے، اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے، تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے، باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہلِ دین کی عزت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گذر چکی ہے ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب دینے

دوسرے کو دے، تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے، یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیدی ہیں جس سے رجعت نہیں ہوسکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے آہ! زادِ راہ کم اور سفر دراز کا ہے۔ راستہ دہشت خیز ہے۔ یہ سنکر امیر معاویہ رو پڑے اور فرمایا خدا ابوالحسن پر رحم کرے خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیموں آجاتے تھے اور حسنؓ و حسینؓ ان میں کوئی لیموں لے کر کھانے لگتے تو وہ اسکو ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ابوعمرؓ سے روایت ہے کہ وہ فے کی تقسیم میں حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ یعنی جب ان کے پاس مال آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال میں صرف اس قدر باقی رہ جاتا تھا جس کی تقسیم اس روز نہ کر سکتے تھے اور فرماتے، اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے، اور خود اس میں سے اپنے لئے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں وہ اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی تخصیص کرتے تھے۔ حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے کہ:

قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ	تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے
فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ	نصیحت آچکی ہے تو ناپ جوکھ کو انصاف
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ	کے ساتھ پورا کرو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ	نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، خدا کا
بَقِيَّةُ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ	ثواب تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو
مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝	اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔

جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس کی پوری حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمہارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں، جو تمہارے ہاتھوں سے لے لے۔ پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے

ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

مجمع التیمی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا۔ اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر حکم دیا کہ اس میں جھاڑو دیدی جائے اور اس میں نماز پڑھی تاکہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔

حضرت کلیب رض سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انھوں نے اس کے سات حصّے کئے، اس میں ایک روٹی بھی تھی، اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصّے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا، پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون ساحصہ دیا جائے

ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک چیز یہ تھی کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے، اور اس کو اپنے لئے گوارہ کر لیتے تھے۔ خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رض ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے بچھانے کے لیے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی ضمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رض کے متعلق کیا تھا اور بیرونی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت فاطمہ رض کا نکاح کیا، تو جہیز میں ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں۔ ایک چکی، ایک مشک اور دو گھڑے دیئے۔ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رض سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آتے ہیں آپ سے ایک خادم کی درخواست کرو۔ انھوں نے کہا آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں بھی آبلے پڑ گئے۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے پوچھا بیٹی کس غرض سے آئی ہو بولیں، سلام عرض کرنے۔ لیکن سوال کرتے ہوئے ان کو شرم آئی اور واپس چلی گئیں۔ حضرت علی رض کرم اللہ وجہہ نے پوچھا تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی، دوبارہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا۔ کہ پانی بھرنے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہ رض نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ خدا نے آپ کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے

ہم کو بھی ایک خادم عنایت ہو۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں، یہ نہیں ہو سکتا، کہ میں تم کو دوں، اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں۔ میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کرکے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا۔ یہ جواب پاکر دونوں لوٹ آئے۔ ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ چادر اوڑھ کر سو چکی تھیں۔ یہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر دونوں اٹھ گئے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلادوں جو اس چیز سے بہتر ہے، جس کو تم مجھ سے مانگتے ہو۔ دونوں نے کہا، ہاں، فرمایا، مجھ کو جبرئیلؑ نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح اور دس بار تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا ابن کوا نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا، نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھ کو سخت بھوک لگی، کھانے کو کچھ نہ تھا اس لیئے عوالی مدینہ میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی جس نے ڈھیلے اکٹھے کئے تھے میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو وہ بھگونا چاہتی ہے چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت طے کی اور سولہ ڈول پانی بھرے، جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا[1]

خانگی زندگی — حضرت علیؓ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی جب کہ سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔ اس سے پہلے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لئے کسب معاش کے لئے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ قرب وجوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لاکر بیچنے کا ارادہ کیا۔

---

[1] ازالۃ الخفا کا خلاصہ ختم ہوا۔

حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا، کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے [۱] آخر زرہ بیچ کر سامان کیا اس زرہ کی قیمت بھی سو، سوا سو روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔

شادی کے بعد جب علیحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصولِ معاش کی فکر لاحق ہوئی چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی، اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا، محنت مزدوری اور جہاد کے مالِ غنیمت پر گزر اوقات تھی۔ خیبر فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغِ فدک کا انتظام بھی ان کے حوالے کردیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لئے بھی پانچ ہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ خلیفہ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہوگیا جس پر آخری لمحۂ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے [۲] اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر وفاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا۔ اور تمول کے دَور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر وفاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا، بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؓ نہایت متاثر ہوئے، اور انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ اب میں تمہارے خلافِ مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ اس کے بعد صرف

---

[۱] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس [۲] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۵۹

چھ مہینے زندہ رہیں، اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کا دل پژمردہ شگفتہ نہ ہوا۔ حضرت علیؓ بھی ان کی دلدہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔

حضرت فاطمہؓ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنفیہؒ سے بھی نہایت محبت تھی چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؓ سے ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی

غذا و لباس ۔ حضرت علیؓ کے غیر معمولی زہد و ورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے عمدہ پوشاک اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا۔ عمامہ بہت پسند کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے العمائم تیجان العرب، یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے ہوتے تھے۔ تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر پر ہی قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لئے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے۔ غرض آپکو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا، یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لیئے ایک اچھا نمونہ ہے وہ اس کی پیروی کریں۔ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر "للہ الملک" نقش تھا۔

حضرت علیؓ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا، کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں ان کے لیئے دعا فرمائی تھی اللھم اذھب عنہ الحر والبرد یعنی اس سے گرمی و سردی دور کر! اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی[1]

حلیہ :- قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی چہرہ پر رونق و خوبصورت، سینہ چوڑا، ہاتھ پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا، سر پر بال نہ تھے یا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ ہر بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۹۹

اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے، مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی، آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے، اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا

ازواج واولاد سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کے بعد جناب مرتضیٰؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے ذکور میں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ اور لڑکیوں میں زینبؓ کبریٰ اور ام کلثومؓ کبریٰ پیدا ہوئیں۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

ام البنینؓ بنت حزام۔ ان سے عباسؓ، جعفرؓ، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔ ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰؓ بنت مسعود۔ انھوں نے عبید اللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا۔ لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

اسماءؓ بنت عمیس۔ ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

صہبا، یا ام حبیب بنت ربیعہ۔ یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاس برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی۔

امامہؓ بنت ابی العاص۔ یہ حضرت زینبؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں ان سے محمد اوسط تولد ہوئے

خولہؓ بنت جعفر۔ محمد بن علی جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

ام سعیدؓ بنت عروہ۔ ان سے ام الحسن اور رملۂ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

محیاۃؓ بنت امرء القیس۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی۔ متذکرۂ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں، اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملۂ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔

غرض حضرت علیؓ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے۔ ان میں پانچ سے سلسلۂ نسل جاری رہا، ان کے نام یہ ہیں

امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عباسؓ، عمرؓ (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)